

پرانے قہے کہانیاں، جدید اندازِ تحریر

# صیحت آموز کہانیاں





# سٹیڈی بئیر کا بخار

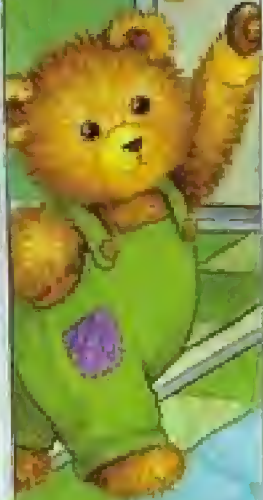
تحریر: معظّم جاوید بخاری





تحریر: معظم جاوید بخاری

## ٹیڈی بیئر کا بخار



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ٹیڈی بیئر سکول سے واپس لوٹا تو اس کی طبیعت جو تھل ہو رہی تھی۔ اس نے گھر پہنچ کر سب سے پہلے بستہ ایک طرف رکھا اور پھر سکول کا یونیفارم اتار کر گھر کے کپڑے

پہنے۔ اس کی ممی نے اس سے پوچھا کہ ”کھانا کھاؤ گے؟“ تو اس نے منع کر دیا کیونکہ اس کا دل کھانا کھانے کو نہ چاہ رہا تھا۔ ممی نے جب اس کی مر جھائی صورت دیکھی تو اسے شک گزرا کہ ٹیڈی بیئر کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ممی نے اسے قریب بلایا اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو اس کا ماتھا گرم ہو رہا تھا۔

ممی نے اس کا منہ ٹھنڈے پانی دھوایا تاکہ بخار کی شدت کچھ کم ہو۔ ٹیڈی بیئر نے ممی کو کہا کہ ”وہ بلا وجہ پریشان ہو رہی ہے، اسے کچھ نہیں ہوا۔ سکول سے واپسی کی تھکن ہو رہی ہے جو کچھ دیر بعد ختم ہو جائے گی۔“ ممی نے کہا کہ ”وہ آرام سے بستر میں لیٹ جائے کیونکہ اسے بخار ہو رہا ہے۔ وہ اس کیلئے گرم گرم دودھ لاتی ہے۔“ ٹیڈی بیئر کا جی اکتایا سا تھا اسے دودھ پینے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

اس نے ممی کو کہا کہ ”وہ ابھی دودھ نہیں پینا چاہتا۔“ مگر ممی نے اس کی ایک نہیں سنی اور گرم دودھ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ٹیڈی بیئر نے نہ چاہتے ہوئے بھی دودھ پیا اور پھر ممی کے اصرار پر بستر





میں لیٹ گیا۔ اس کا دل دوسرے کمرے میں پڑا تھا جہاں اس کے ساتھی کھلونوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔  
ٹیڈی بیئر نے کچھ دیر بستر میں آرام کیا جب اس کا دل بے چین سا ہو گیا تو وہ بستر میں سے نکل کر دوسرے  
کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اس کا ساتھی ڈوگی اور مانو دونوں پلاسٹک کے ٹکڑوں  
کو جوڑ کر پل بنا رہے تھے۔ ڈوگی نے جب ٹیڈی بیئر کی شکل دیکھی تو اس نے ہنس کر اسے اپنے پاس بلایا۔ مانو  
بھی اسے دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ اس نے ٹیڈی بیئر سے کہا کہ ”وہ دونوں کب سے اس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔  
آج وہ اتنی دیر سے سکول سے واپس لوٹا ہے، خیریت تو ہے۔“ ٹیڈی بیئر نے انہیں بتایا کہ ”وہ تو کب کا سکول  
سے واپس آچکا ہے مئی نے اسے دودھ پلا کر بستر میں لٹا دیا تھا کیونکہ مئی کا کہنا ہے کہ مجھے بخار ہے۔“ ڈوگی اور  
مانو نے جب یہ سنا کہ ٹیڈی بیئر کو بخار ہو گیا ہے تو وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے کہا کہ ”تم پہلے ڈاکٹر کے

پاس جاؤ اور دوا لے کر کھاؤ پھر ہمارے ساتھ آ کر کھیلنا کیونکہ مئی کہتی ہیں

کہ بیمار بچوں کو جراثیم چٹ جاتے ہیں اور جو کوئی ان کے ساتھ کھیلتا

ہے تو وہ جراثیم انہیں بھی لگ جاتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ نہیں

کھیلیں گے۔“ ٹیڈی بیئر نے جب ان کی بات سنی تو وہ روٹھ

کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے کہا کہ ”آج مجھے بخار

ہوا ہے تو تم لوگ مجھ سے دور بھاگ

رہے ہو کل جب تمہیں بخار ہو

جائے گا تو میں بھی تمہارے ساتھ نہیں

کھیلوں گا۔“ ڈوگی اور مانو نے اسے سمجھایا کہ

”بخار گندے جراثیموں سے چڑھتا

ہے اور گندے جراثیموں سے

ہمیشہ بچ کر رہنا چاہئے۔





اب تمہیں یہ جراثیم لگ گئے ہیں تو تمہیں خود غرض نہیں بننا چاہئے بلکہ تمہیں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو ان سے بچانا چاہئے۔“ ٹیڈی بیئر یہ سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔ وہ واپس اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ٹیڈی بیئر کی مُمی نے اس کے پاپا کو فون کر کے اطلاع کر دی تھی۔ پاپا نے کلینک پر فون کر کے ڈاکٹر کو ہدایت کہ وہ ٹیڈی بیئر کا معائنہ کر کے اسے دوا دے۔ ڈاکٹر نے اپنی نرس کو ٹیڈی بیئر کے گھر بھیجا تاکہ وہ اسے ساتھ لے کر کلینک پر آجائے۔ نرس ٹیڈی بیئر کے گھر پہنچی تو مُمی نے ٹیڈی بیئر کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔ نرس ٹیڈی بیئر کی انگلی پکڑ کر اسے کلینک لے گئی۔ ٹیڈی بیئر اس کے ہنستا کھیلتا ہوا کلینک پہنچ گیا۔ نرس نے کلینک پہنچ کر اسے ایک اسٹول پر بٹھا دیا اور خود ڈاکٹر کو مطلع کرنے چلی گئی۔ تھوڑی بعد وہ واپس آگئی اور اس نے بتایا کہ ڈاکٹر ابھی دوسرے مریض کو دیکھنے میں مصروف ہے جو ابھی وہ فارغ ہو جائے گا تو اس کا چیک اپ کرے گا۔ ٹیڈی بیئر نے اچھے بچے کی طرح اثبات میں سر ہلا دیا۔ نرس نے اسے کہا کہ وہ اپنے کپڑے اتار دے تاکہ اس کا مکمل چیک اپ ہو سکے۔ ٹیڈی بیئر نے اسٹول پر بیٹھے بیٹھے اپنی سبز پینٹ اتار دی۔ وہ

صرف چڈی پہنے ہوئے تھا۔ نرس نے اسے چیک اپ بیڈ

پر لیٹا دیا۔ بیڈ کا گدا بڑا نرم تھا۔ ٹیڈی

بیئر اچھل اچھل کر کھیلنے لگا۔ نرس نے

اسے منع کیا کہ ”وہ آرام سے بیٹھے

ورنہ وہ اسے بیڈ سے اتار کر زمین

پر کھڑا کر دے گی۔“

ٹیڈی بیئر ڈانٹ سن کر دھب

کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر

سفید گاؤن پہنے، گلے میں سٹیٹھو سکوپ

ڈالے وہاں آگیا۔ اس نے ٹینک

لگا رکھی تھی۔ ڈاکٹر نے آکر ٹیڈی بیئر کی





طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ نرس نے بتایا کہ اسے کافی تیز بخار معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے نرس کو ہدایت کی کہ وہ اسے ویٹ مشین پر کھڑا کر کے اس کا وزن نوٹ کرے۔ نرس نے ٹیڈی بیئر کا لباس لے کر ہنگر پر ٹانگ دیا اور اسے گود میں اٹھا کر ویٹ مشین پر لا کھڑا کیا۔ اس نے ویٹ مشین کا بٹن دبایا تو قدم اپنے والا فیتہ ٹیڈی بیئر کے سر کے پاس آ گیا اور مشین کا کنڈا گھومتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ نرس نے ٹیڈی بیئر کا وزن نوٹ کر کے ڈاکٹر کو بتایا جو اس وقت تھرما میٹر نکال رہا تھا۔ ڈاکٹر نے قدم کی پیمائش کے لحاظ سے حساب لگاتے ہوئے ٹیڈی بیئر کو بتایا کہ ”اس کا وزن کافی کم ہے، اس کی عمر اور قدم کے لحاظ سے وزن زیادہ ہونا چاہئے۔ وہ یقیناً دودھ نہیں پیتا اور پھل نہیں کھاتا۔“ ٹیڈی بیئر نے ہنس کر جواب دیا کہ ”وہ ڈھیر ساری ٹافیاں اور چاکلیٹ کھاتا ہے۔ سوڈا خوب پیتا ہے۔ اس کا پیٹ خوب اچھی طرح بھر جاتا ہے۔“ ڈاکٹر نے برا منہ بنایا اور اسے آگاہ کیا کہ ”ٹافیاں اور چاکلیٹ سے پیٹ نہیں بھرتا بلکہ وہ کئی بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ اسے ٹافیوں اور چاکلیٹ کے بجائے دودھ، پھل اور اناج کھانا چاہئے جو جسم کی صحیح نشوونما کرتے ہیں۔“ ٹیڈی بیئر یہ سن کر حیران رہ گیا کہ ٹافیاں اور چاکلیٹ اس کے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس نے ڈاکٹر سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اس بارے میں احتیاط کیا کرے گا۔ نرس نے ٹیڈی بیئر کو چیک اپ بیڈ پر دوبارہ بٹھا دیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے منہ میں تھرما میٹر ڈال دیا اور اس کا بازو پکڑ







کرنہض دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے اس کے منہ سے تھرما میٹر نکال کر دیکھا تو اسے کافی تیز بخار ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ”وہ اس کیلئے دوا بنادیتا ہے گھر جا کر وہ دوا کھا کر آرام کرے شام تک بخار اتر جائے گا۔“ ٹیڈی بیئر یہ سن کر بڑا خوش ہوا۔ ڈاکٹر نے ایک آلے کی مدد سے اس کے کانوں کا معائنہ کیا۔ وہ پنسل مارچ کی روشنی سے اس کے کان میں جھانک رہا تھا۔ ڈاکٹر نے ٹیڈی بیئر کو بتایا کہ ”اس کے کانوں میں بڑا میل جمع ہو چکا ہے۔ وہ منہ دھوتے وقت کانوں میں انگلی ڈال کر انہیں صاف نہیں کرتا، اگر اس نے یہ بے احتیاطی کچھ دنوں تک جاری رکھی تو کانوں میں پھنسیاں نکل آئیں گی اور کانوں میں بڑا درد ہوگا۔“ ٹیڈی بیئر نے کہا کہ ”وہ آئندہ اپنے کانوں کو روزانگی ڈال کر صاف کیا کرے گا۔“ ڈاکٹر نے کہا کہ ”وہ ذرا اپنا منہ کھول کر اسے دانت بھی چیک کرائے۔“ ٹیڈی بیئر جلدی سے بولا کہ ”وہ روزانہ صبح ٹوتھ برش کرتا ہے، اس کے دانت گندے ہو ہی نہیں سکتے۔“ ڈاکٹر نے جب اس کے دانتوں کا معائنہ کیا تو وہ ہنس کر بولا۔ ”اس کے دانت سامنے کی طرف سے صاف دکھائی دیتے ہیں مگر اندر کی طرف سے پیلے ہو رہے ہیں، وہ صحیح طرح سے برش نہیں کرتا۔ دانتوں کے پیچھے بھی برش کرنا چاہئے تاکہ وہاں جمی ہوئی چکنائی اور میل دھل جائے۔ اگر یہ میل زیادہ دن تک جمی رہ جائے تو اس میں سڑاند پیدا ہو جاتی ہے جو گندے جراثیم پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ جراثیم نہ صرف دانتوں کو اندر



ہی اندر سے کھوکھلا کر کے خراب کر دیتے ہیں بلکہ خوراک کے ساتھ پیٹ میں جا کر کئی بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ "ٹیڈی بیئر یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ایک برش کے ساتھ دوا لگا کر اس کے دانتوں کو اچھی طرح صاف کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے اس کی کمر پر اسٹیٹھو سکوپ کی مدد سے دل کی دھڑکن چیک کی۔ وہ کچھ دیر تک اپنے چیک اپ میں مصروف رہا۔ اس کے بعد اس نے ایک کاغذ پر ٹیڈی بیئر کی تفصیلی رپورٹ لکھی اور اس کیلئے دوا میں تجویز کیں۔ اس نے وزن بڑھانے والا ایک سیرپ دیا جس کا ذائقہ بڑا میٹھا تھا۔ اس کے بعد اس نے نرس کو ایک چٹ لکھ کر دی کہ وہ ڈسپنری سے ٹیڈی بیئر کی دوا بنوا کر لائے۔ نرس چٹ لے کر چلی گئی۔ ڈاکٹر ٹیڈی بیئر سے باتیں کرنے لگا۔ ٹیڈی بیئر نے سوال کیا کہ "ڈاکٹر صاحب! یہ بخار کیوں چڑھ جاتا ہے؟" ڈاکٹر نے ہنس کر بتایا کہ "ہمارے جسم میں کئی طرح غدود ہوتے ہیں جو اپنے اپنے افعال انجام دیتے ہیں۔ جب ہم کوئی غذا کھاتے ہیں تو وہ حلق کی نالی سے اتر کر سیدھی پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ وہاں معدہ نام کا ایک عضو ہوتا ہے جو بالکل مشکیڑے کی شکل جیسا ہوتا ہے۔ غذا اس میں جمع ہو جاتی ہے۔ وہاں موجود غدود خوراک کو ہضم کرنے والا مادہ معدے میں بھیجتے ہیں۔ یہ مادہ جنہیں رطوبت کہا جاتا ہے، غذا کے ساتھ مل کر اسے پتلا کر دیتے ہیں۔ غذا میں موجود توانائی والے اجزاء وہاں سے نکل کر خون میں شامل ہو جاتے ہیں اور غیر ضروری غذا معدے سے نکل







کرا آگے بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم زیادہ کھاتے ہیں یا تیز مریج مسالے دار چیزیں کھاتے ہیں تو غذا دانا کا کام صحیح طرح انجام نہیں دے پاتے اور غذا میں زہریلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زہریلے پن کو خارج کرنے کیلئے ہمارے بدن میں باریک باریک چھلنی دار سوراخ بنا رکھے ہیں، جو اس زہریلے پن کو پسینے کی صورت میں بدن سے باہر نکال دیتے ہیں۔ زہریلے مادے کی زیادہ مقدار پیشاب اور پاخانے کی صورت میں جسم میں سے خارج ہو جاتی ہے۔ یوں انسان صحت مند و توانا رہتا ہے۔ جب پسینے والے مسام یا سوراخ میل کچیل اور گرد و حول سے بند ہو جاتے ہیں تو یہ زہریلا مادہ جسم سے صحیح طور پر خارج نہیں ہو پاتا۔ جس کی وجہ سے جسم کے اندر تیز حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حرارت کی وجہ سے جسم کے سارے عضوتپ جاتے ہیں اور صحیح طور پر کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ جب یہ معاملہ انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو دماغ کو چکر آنے لگتے ہیں اور آنکھوں میں سے آگ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ پورا بدن درد کرتا ہے، جوڑوں میں اکڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی کیفیت کو بخار کہتے ہیں۔ بخار سے بچنے کیلئے احتیاطی تدابیر کرنا چاہئے۔ روزانہ نہانا چاہئے تاکہ پسینے والے مسام یا سوراخ بند نہ ہو سکیں۔ دانتوں کو صاف رکھنا چاہئے کیونکہ منہ کے ذریعے جراثیم پیٹ میں جا کر بخار کی کیفیت پیدا کرتے



دن میں کئی بار کئی کرنا چاہئے اور خاص طور پر کھانا کھانے کے فوراً بعد لازمی طور پر برش کرنا چاہئے۔ ٹیڈی بیئر بڑے غور سے ڈاکٹر کی باتیں سن رہا تھا کیونکہ اسے ان میں کئی باتیں تو معلوم ہی نہیں تھیں۔

کچھ دیر بعد جب نرس واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لفافہ تھا جس میں ٹیڈی بیئر کیلئے دوا تھی جبکہ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک ٹیکہ تھا۔

ٹیکے کو دیکھ کر ٹیڈی بیئر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر نے اسے تسلی دی اور بڑے پیار سے ٹیکہ اس کے بازو میں لگا دیا۔

ٹیکے کی چھین سے ٹیڈی بیئر کی سسکی نکل گئی۔ وہ خوف کے مارے رونے لگا۔ ڈاکٹر نے اسے پیار سے سمجھایا بچھایا کہ ٹیکہ لگانا بہت

ضروری تھا کیونکہ اسے کافی تیز بخار ہے جو صرف ٹیکے سے ہی جلدی اتر سکتا ہے۔ نرس نے ٹیڈی بیئر کو ایک غبارہ دیا۔ غبارہ پا کر وہ خوش ہو گیا۔ نرس نے اسے کپڑے پہنائے اور انگلی سے پکڑ کر کلینک سے باہر

لے آئی۔ باہر اس کے پاپا اپنی گاڑی میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ٹیڈی بیئر نے پاپا کو دیکھ کر خوشی کا

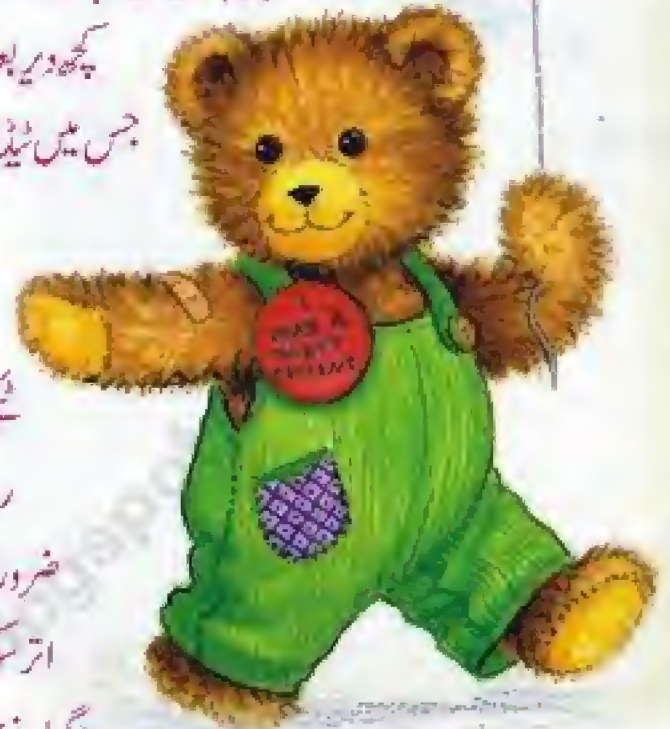
اظہار کیا۔ نرس نے ٹیڈی بیئر کی دوائیں پاپا کے حوالے کیں، ٹیڈی بیئر اچھل

کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پاپا اسے ساتھ لے کر گھر چلے آئے۔ ٹیکے کی وجہ سے اور بروقت دوا کھانے سے ٹیڈی بیئر کا بخار شام تک اتر گیا تھا۔

وہ اب اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل سکتا تھا

کیونکہ گندے سب جراثیم ٹیکہ لگنے

سے کی وجہ سے مر چکے تھے۔





# سویا ہوا بھالو

تحریر: معظم جاوید بخاری





## سو یا ہوا بھالو

تحریر: معظم جاوید بخاری

یہ ایک پہاڑی جنگل کی کہانی ہے جہاں موسم سرما کے آغاز میں ہی برف باری شروع ہو جاتی تھی۔ پورا جنگل برف سے ڈھک جاتا اور یوں دکھائی دیتا گویا جیسے اس نے سفید چادر اوڑھ رکھی ہو۔ درختوں کی شاخوں اور پتوں پر برف کی تہہ بیٹھ جاتی جس کی وجہ سے پرندے اس پر بیٹھ نہ پاتے اور نہ ہی پتے کھانیوالے جانوروں کو سبز سبز پتے دکھائی دیتے۔ جب تک یہ برف پلھل نہیں جاتی تھی اتنے دن تک جنگل میں عجیب سی آوازیں اور سناٹا چھایا رہتا۔ یہ موسم سرما کے آغاز کی بات ہے جب پہلی برف باری پڑی۔ جنگل میں موجود سب جانور برف باری سے بچنے کیلئے اپنی اپنی پناہ گاہوں کی طرف بھاگے۔ پرندوں نے درختوں کی کھوہ میں پناہ لی۔ ہر طرف افراتفری کا منظر تھا۔ برف باری آہستہ آہستہ شدت پکڑ رہی تھی۔ درخت برف سے لدنے لگے۔ ٹھنڈی ہوائ نے سب پر کپکپی سی طار کر دی۔ ایسے میں ایک جنگلی بھالو برف سے بچتا ہوا اپنی کھوہ کی طرف روانہ ہوا۔ جو کہ جنگل کے بیچوں بیچ میں ایک چھوٹی پہاڑی کی غار میں واقع تھی۔ وہ برف سے بھیگ چکا تھا تھا۔ اس نے غار کے دہانے پر پہنچ کر اپنے جسم کو اچھی جھاڑا۔ جسم پر چپکی ہوئی برف جھڑ کر زمین پر گر گئی۔ بھالو اپنی کھوہ میں بیٹھ کر برف باری کے بند ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ انتظار کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری تیند سو گیا۔ ابھی





کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک چوہا  
بھیگتا ہوا اس غار کے پاس پہنچا۔  
اس نے جان بچانے کیلئے اسی غار  
میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے غار  
میں آکر ٹھکنے اور خشک پتے اکٹھے کر کے آگ  
جلائی اور سینکنے لگا۔ آگ کی حرارت سے اسے کچھ

سکون ملا اور کپکپی ختم ہو گئی۔ آگ کی روشنی میں اس کی نظر بھالو پر پڑی تو وہ گھبرا گیا۔ بھالو سو رہا تھا۔ اس نے سوچا  
کہ جب تک بھالو جاگے گا برف باری ختم ہو چکی ہوگی۔ وہ اطمینان سے اپنے گھر کی طرف چلا جائے  
گا۔ اچانک چوہے نے دیکھا کہ آگ دھیمی پڑ رہی ہے تو اسے خوف پیدا ہوا کہ کہیں وہ بجھ نہ جائے۔  
اس نے غار میں سوکھے تنکے اور پتے اکٹھا کرنا شروع کر دیئے۔ وہ تنکوں اور پتوں کے ڈھیر کو دھکیلتا  
ہوا آگ کے قریب لایا اور ان میں کچھ آگ میں جھونک دیئے۔ آگ پھر سے بھڑک اٹھی۔

آگ جلنے سے غار میں کچھ گرمائی ہو گئی اور باہر کی سردی کا اثر ماند پڑنے لگا۔

چوہا آگ کے پاس اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اگر اسے صبح

احساس ہو جاتا کہ







آج برف باری ہوگی وہ جلد ہی گھروٹ جاتا۔ اس کے گھر والے اس کے بارے میں فکر مند ہو رہے ہوں گے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہاں ایک خرگوش آپہنچا۔ وہ بھی برف باری سے بچنے کیلئے پناہ گاہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ برف باری سے پریشان تھا اور بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سردی سے سفید پڑ چکا تھا۔ اس نے غار کے دہانے میں چڑھ کر دیکھا تو اسے اندر ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ اس نے جب غور سے دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے غار کے اندر ننھی سی آگ روشن ہو۔ وہ ڈرتا ڈرتا غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کی نظر جب چوہے پر پڑی تو اسے کچھ اطمینان ہوا۔ اس نے چوہے سے اجازت لی اور اس کے قریب بیٹھ کر آگ سینکنے لگا۔ وہ سردی سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ برف نے اس کے سارے بدن کو بھگو ڈالا تھا۔ وہ اپنے سفید بالوں میں سے پانی نچوڑنے لگا۔ خرگوش کے پاس کچھ برتن تھے، جن ایک کینٹی اور چند کپ شامل تھے۔ اس نے چوہے سے پوچھا کہ کیا وہ چائے

بنانا جانتا ہے تو چوہے نے اثبات میں جواب دیا

اور کہا کہ وہاں پر نہ تو دودھ ہے، نہ چینی

اور نہ ہی پتی..... وہ چائے کیسے

بنائے گا۔ خرگوش نے ہنس کر







بتایا کہ اس کے پاس سارا سامان ہے کیونکہ وہ گھر سے سودا سلف خریدنے نکلا تھا۔ وہ سودا سلف خرید کر واپس جا رہا تھا کہ راستے میں برف باری شروع ہو گئی۔ چوہے نے اس سے چائے کا سامان لیا اور چائے بنانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ خرگوش نے آگ میں کچھ تینکے اور پتے اور ڈالے جس سے آگ زیادہ روشن ہو گئی۔ چوہے نے اس سے کیتلی لی اور اس میں تھوڑی سی برف ڈال کر اسے آگ پر چڑھا دیا، تھوڑی ہی دیر میں برف پگھل کر پانی بن گئی۔ اچانک چوہے کی نظر ایک طرف پڑی ہوئی

بھنی ہوئی مکئی پر پڑی، وہ زمین پر بکھری ہوئی تھی۔

چوہا لپک کر اس کے پاس پہنچا اور مکئی اکٹھی

کر کے آگ کے پاس چلا آیا۔ خرگوش کی

نظر سوئے ہوئے بھاؤ پر پڑی تو گھبرا گیا۔

چوہے نے اسے تسلی دی کہ اس کے بیدار

ہونے سے پہلے وہ غار سے چلے جائیں

گے۔ اسی وقت ایک لدھر سردی سے بچتے

بچاتے وہاں آ پہنچا۔ اس نے اپنی پیٹھ پر

ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا جس میں خشک







بادام کی گریاں تھیں۔ لدھر نے غار کے منہ پر ٹھہر اس کا جائزہ لیا۔ وہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ کہیں غار میں کوئی ایسا جانور تو موجود نہیں ہے جس سے اسے جان کا خطرہ درپیش ہو۔ جب اس نے غار میں آگ روشن دیکھی تو وہ بڑا حیران ہوا۔ اس کی ہمت بڑھی تو محتاط قدموں سے اندر آ گیا۔ اسے غار میں سفید خرگوش اور ایک چھوٹا چوہا دکھائی دیا جو لالہ کے گرد بیٹھے آگ سینک رہے تھے۔ اس نے سمجھا کہ یہ غار خرگوش کی ملکیت ہے، اسی لئے اس نے سلام کرنے کے بعد خرگوش سے کچھ وہاں ٹھہرنے کی اجازت طلب کی۔ خرگوش نے بتایا کہ وہ تو خود مسافر ہے، یہ چوہا پہلے سے یہاں موجود تھا۔ لدھر نے چوہے کی طرف دیکھا تو چوہا ہنسنے لگا۔ اس نے کہا کہ یہ غار دراصل اس بھالو کی ملکیت ہے، وہ بھی یہاں کچھ دیر پناہ کیلئے آیا ہے۔ لدھر نے جب

سوئے ہوئے بھالو کی طرف دیکھا تو وہ سہم سا گیا۔

چوہے نے اسے تسلی دی اور کہا وہ بھی ان کے

ساتھ وہاں ٹھہر جائے جب برف باری بند

ہو جائے گی تو وہ سب اپنی اپنی منزل کی

طرف روانہ ہو جائیں گے۔

لدھر نے چوہے اور خرگوش کی

مہربانی پر انہیں چند بادام کی







گریاں نکال کر دیں۔ دونوں  
نے شکر پئے کے ساتھ گریاں  
لے لیں کیونکہ بادام کھانے  
سے انہیں سردی سے لڑنے میں  
آسانی ہوتی۔ چوہے نے ایک  
کپ میں چائے نکال کر اسے دی۔  
لدھرنے جب چائے پی تو اسے بڑا  
سکون ملا۔ اس نے خوش ہو کر انہیں اور بادام دیئے۔

وہ سب آگ کے گرد بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ چائے پینے سے ان کی کپکپی کافی حد تک کم ہو چکی تھی۔ ابھی کچھ ہی  
دیر گزری تھی کہ غار کا دبانہ دیکھ کر وہاں ایک کوا، ایک چڑیا، ایک گلہری اور ایک چیل بھی آپہنچے۔ انہوں نے جب  
غار میں آگ جلتی ہوئی دیکھی تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ سردی کے مارے ان کی گھنگی بندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے  
اس پناہ گاہ کو اپنے لئے نعمت خداوندی سمجھا اور اندر چلے آئے وہاں پہلے سے چوہا، خرگوش اور لدھرم موجود تھے۔  
انہوں نے ان مسافروں کو بھی وہیں رکنے کی اجازت دے دی۔ وہ سب آگ کے الاؤ کے گرد سکر کر بیٹھ گئے۔







جوں جوں وقت گزرتا چلا گیا۔ ان سب کے جسم پر چھائی کچلی دور ہو گئی اور غار کی گرمائی میں وہ سکون لینے لگے۔ چائے ختم ہو چکی تھی اور ان سب کو بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ سب نے مل فیصلہ کیا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اسے بڑے برتن میں ڈال کر سوپ بنایا جائے اور اس سوپ سے بھوک کا خاتمہ کیا جائے۔ سب نے اپنے پاس موجود اشیاء اس بڑے برتن میں ڈالنا شروع کر دیں۔ جب برتن منہ تک بھر گیا تو انہوں نے باہر سے برف لا کر اس میں ڈال کر اسے آگ پر چڑھا دیا۔ خرگوش تنکے اور پتے آگ میں ڈال کر اسے بھڑکا تا رہا۔ سوپ جب پکنے لگا تو پورے غار میں بھیننی بھیننی مہک پھیل گئی۔ وہ سب بڑے خوش ہوئے اور جوش میں آ کر وہ سب جھومنے ناچنے لگے۔ وہ اچھل کود کر رہے تھے اور اپنی اپنی آوازیں لگا رہے تھے۔ پورے غار میں ان کا شور و غل پھیل گیا۔ وہ سوئے ہوئے بھالو کو بالکل فراموش کر چکے تھے۔ بھالو اپنے قریب عجیب سی آوازیں سن کر بیدار ہو گیا۔ اس







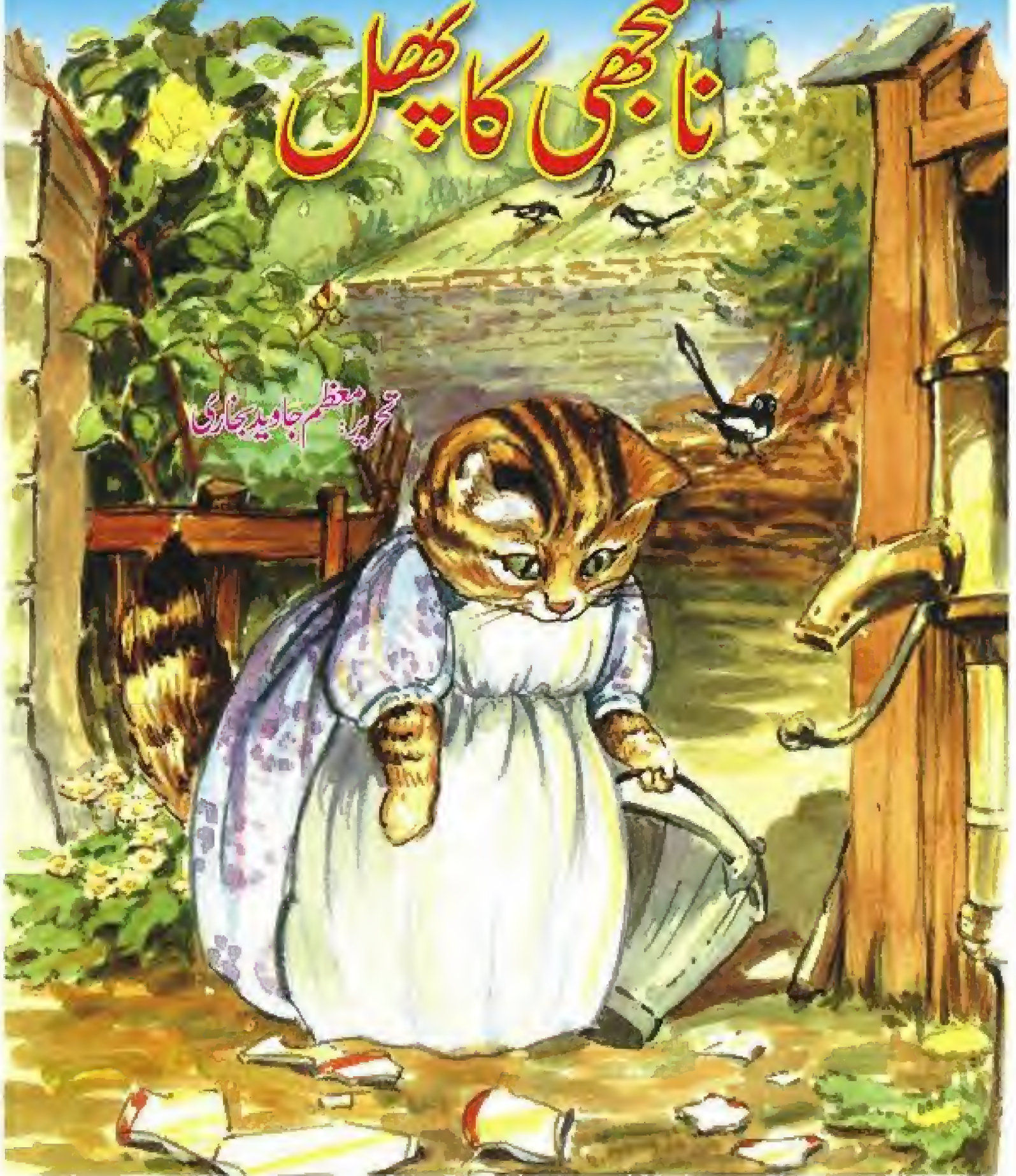
نے زوردار جھانکی لی تو آگ پر لگایا ہوا لکڑی کا سٹینڈ ایک طرف  
لڑھک گیا۔ بھالو کی صورت دیکھ کر وہ سب ڈر گئے۔ سوپ کا  
برتن آگ میں گر چکا تھا۔ بھالو نے کے منہ سے خرخراہٹ سن کر  
سب نے غار سے باہر دوڑ لگا دی۔ بھالو نے جب اٹھ کر آگ  
اور برتن دیکھا تو اسے کچھ کچھ سمجھ آنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ شور و غل  
کرنے والے مسافر اس سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔  
اس نے جلدی سے باہر نکل کر انہیں واپس بلایا۔ وہ ڈرتے  
ڈرتے غار میں چلے آئے بھالو ان کے ساتھ اچھے سلوک سے  
پیش آیا اور یوں ان سب میں دوستی ہو گئی۔ سب نے سوپ مل کر  
پیا اور خوب مستی کی۔





# سچھی کا پھل

تحریر: معظم جاوید بخاری







## ناکجی کا پھل

تحریر: معظم جاوید بخاری

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی قصبے میں ایک مالدار بلی رہتی تھی جس کا نام گلہ بانو تھا۔ وہ خود کو شاعرہ کہلوانا بڑا پسند کرتی تھی اور ناقص قسم کے شعر لکھ لکھ کر ہر کسی سے داد حاصل کرنے کی خواہشمند رہتی۔ لوگ اس کی فضول شاعری سے تنگ آ کر اس سے دور ہو گئے۔ وہ تنہا گھر میں بیٹھی کاغذ پر شعر لکھتی رہتی جب کوئی غزل پوری ہو جاتی ہے تو اس کی نقلیں بنا کر وہ لوگوں میں بانٹ دیتی۔ لوگ اس کی حماقت پر دل میں خوب ہنستے اور غزل کے کاغذ کو ادھر ادھر پھینک دیا کرتے۔ ایک دن اس قصبے میں ایک کالا لومڑ چلا آیا۔ اسے دیکھ کر قصبے میں کسی نے منہ نہ لگایا۔ دراصل لوگ لومڑ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اس عیار و مکار جانور سے بچ کر رہنا بہتر سمجھتے تھے کیونکہ لومڑ ہمیشہ دھوکہ دہی سے کام نکالتا تھا۔ کالا لومڑ اپنے کسی کام سے قصبے میں آیا تھا۔ اسے وہاں ایک رات قیام کرنا تھا اتفاق سے بلی نے اس دن کوئی نئی غزل لکھی اور اس کی نقلیں قصبے کے لوگوں میں بانٹ دیں۔ ایک کاغذ لومڑ کے





ہاتھ بھی لگ گیا۔ اس نے غزل پڑھی تو گلبنو کی ناگہمی پر ہنس پڑا۔ اس نے لوگوں سے اسکے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے گلبنو کے بارے میں اُسے بتا دیا۔ لومڑیہ سب جان کر سوچ میں پڑ گیا۔ اچانک اُسے ترکیب سوچھی۔ لومڑی قہقہے کی ایک دکان میں چلا آیا، وہاں اسے شاعری کی ایک پرانی سی کتاب مل گئی جس کے اوراق بوسیدہ ہو چکے تھے۔ دکاندار نے حیرت سے وہ کتاب اسے ستے داموں فروخت کر دی۔ لومڑی نے کتاب میں ایک غزل منتخب کی اور اسے کاغذ پر نقل کیا۔ وہ کاغذ لپیٹ کر اس نے چھوٹے سے خط کے ساتھ گلبنو کے گھر بھجوا دیا گلبنو نے جب خط پڑھا تو وہ حیران رہ گئی۔ خط میں لومڑی نے خود کو شاعر کی حیثیت سے متعارف کرایا اور گلبنو کی تازہ غزل کی تعریف کی۔ اس کے علاوہ اس نے گلبنو سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے پیغام دیا کہ اگر گلبنو اس کے ساتھ ملاقات پر رضامند ہے تو اسی قاصد کے ہاتھ جواب بھیج دے۔ گلبنو کیلئے یہ موقع بڑا اہم تھا کہ کوئی شاعر اس کی قدر دانی کرتے ہوئے اس سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ گلبنو نے پیغام لانے والے کو کہا کہ وہ آج شام کو لومڑی کا گھر پر انتظار کرے گی۔ پیغام لانے والا واپس لوٹ گیا اور اس نے لومڑی کو گلبنو





کے انتظار سے آگاہ کر دیا۔ ادھر گھبانا خوشی سے سرشار گھر میں جھومتی پھر رہی تھی۔ اس نے لومڑی کی بھیجی ہوئی غزل کو کئی بار پڑھا اور اس کی شاعری کی معترف ہو گئی۔ اس نے لومڑی کے استقبال کیلئے جلدی جلدی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ کھانے کے لوازمات کیلئے گھبانا اپرن پہن کر باورچی خانے میں گھس گئی۔ وہ لومڑی کیلئے دھڑا دھڑا کھانے بنا رہی تھی۔ ایک شاعر کا استقبال وہ ایسے پر تپاک انداز میں کرنا چاہتی تھی کہ اسے ذرا بھی اجنبیت محسوس نہ ہو۔ وہ سارا دن کھانا پکانے میں ایسی مصروف ہوئی کہ اسے خبر نہ ہوئی کہ کب دن ڈھل گیا اور شام شروع ہو گئی۔ جب اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ چونک پڑی۔ اس نے جلدی جلدی سے باورچی خانے کا کام سمیٹا اور نہادھو کر عمدہ لباس پہن کر لومڑی کا انتظار کرنے لگی۔ دوسری طرف لومڑی جس کام کے سلسلے میں قصبے میں آیا تھا اسے نبٹا کر فارغ ہو گیا۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا تو شام شروع ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اگر وہ قصبے سے واپس لوٹنا چاہتا تو وہ جاسکتا تھا کیونکہ جس کام کیلئے وہ رات وہاں ٹھہرنا چاہتا تھا وہ خلاف توقع مکمل ہو چکا تھا





پہلے لومڑ نے سوچا کہ گلبانو سے ملاقات سے کیا فائدہ؟ اسے واپس لوٹ جانا چاہئے مگر پھر اس کے ذہن میں کچھ خیال آیا تو اس نے گلبانو سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ لومڑ نے بوسیدہ کتاب میں سے کئی شعر رٹ لئے۔ وہ شعر یاد کرتا ہوا ایک باغ کی طرف آ نکلا۔ وہاں پہنچ کر اس کی نظر خوبصورت پھولوں پر پڑی تو اس کے ذہن میں خیال آیا کہ گلبانو کو پھولوں کا گلہستہ تحفے میں پیش کیا جائے تو وہ یقیناً متاثر ہو جائے گی۔ اس نے اپنے بڑے میں نگاہ دوڑائی۔ کچھ ٹوٹے پیسے موجود تھے۔ اس نے باغبان کو چند سکے دے کر ایک خوبصورت گلہستہ بنانے کیلئے کہا۔ باغبان کافی دیر سے لومڑ کو اپنے باغ میں دیکھ رہا تھا اور اسے خوف تھا کہ لومڑ کوئی ایسی حرکت نہ کر جائے جس سے اس کا باغ خراب ہو جائے۔ اس نے لومڑ کا ارادہ سن کر جلدی جلدی سے ایک پھولوں کا گلہستہ چنا اور اس کے حوالے کر دیا۔ جب لومڑ باغ میں سے باہر نکلا تو باغبان نے اطمینان کی سانس لی۔ لومڑ نے باغ سے باہر نکل کر گلبانو کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ بڑے ٹھانڈے ہاتھ سے چلتا ہوا گلبانو کے دروازے





پر پہنچا اور اس نے گھر کی گھنٹی بجائی۔ گلبانو گھنٹی کی آواز سن کر بے چین سی ہو گئی اور دوڑتی ہوئی دروازے پر آئی۔ اس کی نظر جب کالے لومڑ پر پڑی تو دنگ رہ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا گلہ دستہ دیکھ کر اسے معلوم ہو گیا کہ یہی وہ شاعر ہے جس نے اس کے تازہ کلام کی تعریف لکھ بھیجی تھی۔ لومڑ نے آگے بڑھ کر سر خم کرتے ہوئے سلام کیا اور ایک شعر کے ساتھ پھولوں کا گلہ دستہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ گلبانو اس کی بد صورتی سے قطع نظر اس کے انداز پر خوش ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گلہ دستہ لیتے ہوئے اپنا ایک شعر سنا ڈالا۔ لومڑ نے شعر پر واہ واہ کی آواز لگائی تو گلبانو کی گردن فخر سے تن سی گئی۔ اس نے لومڑ کو گھر کے اندر آنے کی دعوت دی۔ لومڑ اپنے چری بیگ کو بغل میں دبائے گھر میں داخل ہو گیا۔ پورا گھر کھانے کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ لومڑ کے منہ میں پانی بھرا آیا مگر وہ خاموش رہا۔ گلبانو نے اسے ایک صوفے پر بٹھایا اور گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ لومڑ نے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ وہ بڑا مشہور شاعر ہے اسے ہفتے میں ایک آدھ دفعہ کسی نہ کسی مشاعرے میں جانا پڑتا ہے۔



وہ تو اتفاق سے اوھر سے گزر رہا  
تھا کہ کسی کے ہاتھ گلابو کی تازہ  
غزل دیکھ کر ملاقات کا متمنی ہوا۔  
گلابو نے اس کی تعریف پر شکریہ  
ادا کیا۔ شاعری کے موضوع پر گفتگو  
کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ جوں  
جوں وقت گزرتا جا رہا تھا لومڑی کی بھوک  
بڑھتی جا رہی تھی۔ کھانوں کی خوشبو نے اسے  
بے چین کیا ہوا تھا۔ گلابو کو کھانے پینے کی کوئی



ہوش نہیں تھی وہ تو بس شاعری کے بارے میں گرم تھی۔ کچھ دیر کے بعد لومڑی نے تنگ آ کر گلابو سے کہہ ہی ڈالا کہ  
کافی دیر ہو چکی ہے حلق خشک ہے ایک گلاس پانی مل جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ گلابو اس کی فرمائش پر بڑی شرمندہ  
ہوئی۔ اسے یاد آ گیا کہ کھانے کا وقت نکلا جا رہا ہے اس نے معذرت کرتے ہوئے جلدی سے میز پر دسترخوان  
سجایا اور کھانوں کی مختلف اقسام لگا دیں۔ لومڑی بڑی مشکل سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کا بس ہوتا تو وہ فوراً  
کھانوں پر ٹوٹ پڑتا۔ جب گلابو نے اسے کھانے کی دعوت دی تو وہ تکلف کے ساتھ اٹھا اور کھانے کی میز پر جا  
بیٹھا۔ میز پر اتنے سارے کھانے دیکھ کر لومڑی حیران رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ گلابو واقعی کافی امیر شاعر  
ہے۔ لومڑی خود پر ضبط کئے آہستہ آہستہ کھانا تناول کرنے لگا۔ گلابو کی بھوک تو اڑ چکی تھی اس نے معمولی سا کھانا  
کھایا۔ وہ کھانے کے دوران شاعری کی باتیں ہی کرتی رہی۔ لومڑی طمینان کے ساتھ اسے جواب دیتا رہا اور کبھی  
کبھار بیچ میں رہتا ہوا شعر بھی سنا دیتا۔ گلابو کو یقین ہو چکا تھا کہ لومڑی کالا اور بد صورت ضرور ہے مگر اس کے اندر  
ایک نفیس اور اعلیٰ پائے کا شاعر چھپا ہوا ہے۔ لومڑی گلابو کے احساسات سے قطع نظر کھانے میں ایسا مشغول ہوا  
کہ سارے کھانے چٹ کر گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ تمام برتن خالی ہو چکے ہیں تو وہ کیسا نے انداز میں ہنستا  
ہوا بولا۔ ”گلابو! تمہاری گفتگو میں کچھ ایسی شیرینی ہے کہ میں تو ڈوب کر رہ گیا اور مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ کب





اتنا سارا کھانا میرے پیٹ میں اتر گیا۔“ گلبانو اس کی بات سن کر منس پڑی۔ اس نے مزید کھانا لانے کی پیشکش کی تو لومڑ نے دونوں ہاتھ اٹھالئے اور شکم پری کا اعلان کر دیا۔ گلبانو زبردستی لومڑ کیلئے چائے بنا لائی۔ لومڑ نے آدھی آدھی کی شرط عائد کر دی۔ گلبانو نے آدھی پیالی اس سے لے لی اور خود پینے لگی۔ لومڑ نے چائے کو نصف کرتے ہوئے چالا کی سے اس میں نیند کا سفوف ملا ڈالا تھا۔ گلبانو کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا۔ جب کچھ دیر بیت گئی تو گلبانو کو نیند کے جھونکے آنے لگے۔ اس نے لومڑ کے لئے ایک کمرے میں بستر لگایا اور اسے وہاں چھوڑ کر اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ لومڑ نے تھوڑی دیر بستر میں آرام کیا پھر وہ خاموشی سے اٹھا اور گلبانو کی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ گلبانو گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ لومڑ نے جلدی جلدی سے گھر کی قیمتی اشیاء اکٹھی کیں اور روپیہ زور سب کچھ ایک گھنٹری میں باندھ لیا۔ اس نے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کسی کو نہ پا کر وہ قصبے سے رفو چکر ہو گیا۔





صبح سویرے گلبانو کی آنکھ کھلی تو اسے لومڑ کا خیال آیا۔  
وہ جلدی سے اٹھی کہ اس کیلئے ناشتہ بنائے۔ جب  
اس کی نظر خالی تجوری پر پڑی تو وہ پریشان ہو گئی۔  
اس نے کمرے سے نکل کر گھر میں دیکھا تو وہاں  
صفایا ہو چکا تھا۔ لومڑ موجود نہیں تھا۔ اس کی تمام  
دولت وہ مکار سمیٹ کر چلتا بنا۔ وہ گھر سے باہر  
نکلے تو دروازے کے قریب اسے بوسیدہ کاغذ بکھرے  
ہوئے دکھائی دیئے جن پر اشعار درج تھے۔ گلبانو  
نے جھک کر ایک کاغذ اٹھایا تو اس پر وہی شعر لکھا  
پایا جو رات کو لومڑ نے جھوم جھوم کر اسے سنایا تھا۔  
گلبانو لومڑ کے فریب کو سمجھ چکی تھی مگر اب کچھ نہیں  
ہو سکتا تھا۔ نادانی اور ناگہمی نے اسے قلاش کر ڈالا تھا۔

وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔ باہر گلی میں جمعدار جھاڑو  
لگا رہا تھا۔ گلبانو کی لکھی ہوئی تازہ غزل کے کاغذ  
گلی میں دور تک بکھرے پڑے تھے جنہیں  
جمعدار سمیٹ کر کوڑے دان میں  
ٹھونس رہا تھا۔





# مذاق اڑایا، لباس گنوا لیا!



تحریر: معظم جاوید بخاری





## ذائقہ اُڑایا، لباس گنویا!

ایک قصبے میں ایک بلی اپنے تین بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ اس بلی کا نام زینت مشہور تھا کیونکہ یہ بلی خاصی عمر رسیدہ اور سمجھدار تھی۔ وہ نہ صرف ہر وقت گھر کے کاموں میں مصروف رہتی بلکہ اس نے اپنے گھر ایسے عمدہ قرینے سے سجا رکھا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے کہ اس گھر میں بچے بھی موجود ہو سکتے ہیں کیونکہ بچے عموماً شرارتوں سے گھر کا ساری سجاوٹ اور صفائی خراب کر دیتے ہیں۔ زینت کے عمدہ ذوق اور اشیاء کو سلیقے سے سنبھالنے پر اکثر ارد گرد کی ہمسائی بلیاں اس کے پاس آ جاتیں اور اس سے اچھے اچھے مشورے حاصل کرتیں۔ زینت گھر کے معاملے میں صفائی پسند ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق کی بھی مالک تھی۔ وہ ہر آنے والے کی بات کو بڑے غور سے سنتی اور معاملے کو پوری طرح جان لینے کے بعد سوچ سمجھ کر اسے معقول مشورہ دیتی۔ زینت کو نمود و نمائش کا کوئی شوق نہیں تھا اور نہ ہی وہ یہ چاہتی تھی کہ لوگ اس کی خوشامد یا تعریف کرتے





رہیں۔ زینت جنتی اچھی اور صفائی پسند تھی اس کے تینوں بچے اتنے ہی گندے اور شرارتی تھے۔ وہ ہر وقت حماقتیں کرتے اور کوئی نہ کوئی نقصان کر کے گھر واپس لوٹتے۔ زینت بڑے آرام سے انہیں سمجھاتی اور نصیحتیں کرتی رہتی، جن کا بچوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی ماں کے نرم رویے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ تینوں بچے نہ صرف ماں کی بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ آپس میں بھی خوب لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ زینت انہیں اپنے پاس بٹھا کر نرمی سے سمجھاتی کہ اچھے بچے لڑتے جھگڑتے نہیں ہیں بلکہ آپس میں محبت و سلوک کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خوب مدد کرتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر گھر کے کام کیا کرتے ہیں۔ ساتھ مل کر کھیلتے ہیں، ساتھ مل کر پڑھتے ہیں اور ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ زینت کے بچے گردنیں جھکائے اپنی ماں کی





نصیحتیں سنتے رہتے اور جونہی ماں کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جاتی تو وہ دوبارہ پرانی روش پر آ جاتے۔  
 زینت کو ان پر بڑا غصہ بھی آتا مگر وہ یہ خیال کر کے کہ انہیں کچھ نہ کہتی کہ ابھی وہ بچے ہیں، جب ذرا بڑے  
 ہو جائیں گے تو خود ہی سمجھدار ہو جائیں گے۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ عید کا دن قریب آیا تو زینت نے بچوں  
 کیلئے خوبصورت کپڑے سلوائے اور نئے جوتے خریدے۔ عید کی آمد پر بچے بھی بڑے بے قرار تھے، جب عید کا  
 دن آیا تو زینت نے صبح سویرے سب سے پہلے پانی گرم کر کے بچوں کو رگڑ رگڑ کر خوب نہلایا تا کہ ان کے بدن  
 کے ساتھ چپکی ہوئی تمام مٹی اچھی طرح دھل جائے۔ باری باری سب بچوں کو نہلا کر زینت نے ان کا جسم تولیے  
 سے خشک کیا اور نئے نئے کپڑے پہنائے۔ جسم پر پاؤ ڈر لگا کر زینت نے بچوں کے سر پر خوبصورت ہیٹ ڈال





دیئے۔ بچے صاف سحرے ہو کر بڑے پیارے لگ رہے تھے۔ زینت نے سب بچوں کو سختی سے تاکید کی کہ وہ جب باہر جائیں تو اپنے کپڑوں کا خاص خیال رکھیں۔ مٹی میں ہرگز نہ کھیلیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے ساتھ کھینچا تانی کریں کیونکہ اس طرح ان کے نئے کپڑے پھٹ جائیں گے۔ بچوں نے وعدہ کیا کہ وہ ماں کی تمام نصیحتیں یاد رکھیں گے اور کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے انہیں شرمندگی اٹھانا پڑے۔ تینوں بچے نئے کپڑے پہن کر گھر سے باہر نکلے اور قریبی باغ میں پہنچ گئے۔ باغ میں انہوں نے خوب اچھل کود کی۔ وہ کبھی رنگ برنگی تیلیوں کو پکڑتے تو کبھی پھولوں کو توڑ کر ان کی پتیوں کو ہوا میں اچھالتے۔ وہ سارا دن اسی کھیل کود میں مصروف رہے۔ انہوں نے اپنے کپڑوں کا بہت خیال رکھا کہ کہیں وہ میلے یا خراب نہ ہو جائیں۔ کھیلتے کودتے





جب کافی دیر گزر گئی تو انہیں بھوک ستایا۔ تینوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اب انہیں گھر واپس چلنا چاہئے تاکہ کھانا کھایا جائے۔ وہ باغ کی راہداری میں اودھم مچاتے ہوئے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ گھر پہنچے تو انہوں نے اپنی ماں کو کھانا پکاتے دیکھا۔ زینت نے بچوں کا لباس دیکھ کر اطمینان کی سانس لی کیونکہ وہ صاف ستھرا کھائی دے رہا تھا۔ اس نے بچوں کے لباس کو صاف ستھرا رکھنے پر ان کی تعریف کی اور تاکید کی کہ وہ آئندہ بھی ایسا ہی کیا کریں۔ بچے ماں کی تعریف سن کر بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ بھی لباس کو ایسا ہی صاف ستھرا رکھیں گے۔ انہوں نے ماں سے کھانا مانگا تو زینت نے انہیں کچھ دیر انتظار کرنے کیلئے کہا کیونکہ کھانا تیار ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ تینوں بچے باہر نکل آئے اور انہوں نے ماں کو بتایا کہ وہ گھر کے دروازے پر بیٹھے ہیں جب کھانا تیار ہو جائے تو وہ انہیں آواز دے کر بلا لے۔ زینت نے انہیں باہر بیٹھنے کی اجازت دے دی اور خود جلدی جلدی کھانا بنانے میں لگ گئی۔ تینوں بچے گھر کے باہر دروازے کے ساتھ دیوار





پر بیٹھے ہنس کھیل رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے تین سفید بڑے بطخ آتے دکھائی دیے۔ وہ مزے مزے سے جھوم جھوم کر چل رہے تھے۔ ان کے سفید پر بڑے اچلے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بھی عید کی خوشی منا رہے تھے اور ایک پیارا سا گیت گاتے ہوئے قطار میں چل رہے تھے۔ تینوں بچوں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ ہنسنے لگے اور آپس میں ان کا مذاق اڑانے لگے۔ بطخ ان کو ہنستا ہوا دیکھ کر رزک گئے اور دریافت کیا کہ ایسی کیا بات ہے جن پر انہیں ہنسی آرہی ہے؟ بچے ہنس کر بولے کہ کیا ان کے پاس نئے کپڑے نہیں ہیں جو وہ عید والے دن بھی ایسے ہی ننگے گھوم پھر رہے ہیں؟ بطخوں کو یہ سن کر غصہ آیا کہ وہ ان کے سفید اچلے جسم کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑا رہے ہیں اور خوبصورت قدرتی لباس پر دنیاوی لباس کو ترجیح دے رہے ہیں۔ انہوں نے تینوں بچوں کو سہقی





سکھانے کی ٹھانی۔ ایک بطنی بولا۔ ہم تو پانی کے جانور ہیں ہمیں لباس سے کیا لینا دینا۔ جو نمی پانی میں گئے لباس کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ بچے یہ سن کر اور ہنسنے لگے۔ دوسرا بطنی بولا کہ ان کے پاس تو بڑے اچھے کپڑے ہیں۔ کیا وہ انہیں کچھ دیر کیلئے دکھا سکتے ہیں؟ بچے یہ سن کر حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ وہ ان کے کپڑوں کا کیا کریں گے؟ بطنی بولا کہ وہ ان کا لباس پہن کر دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کیسا لگتا ہے؟ ایک بچے نے اپنا ہیٹ اتار کر بطنی کی طرف پھینک دیا، بطنی نے ہیٹ اپنے سر پر رکھ کر انگڑائی لی تو تینوں بچے اس کے انداز پر بے ساختہ ہنس پڑے۔ دوسرے بچے نے اپنی قمیص اتار کر بطنی کی طرف بڑھادی۔ بطنی نے قمیص پہن لی جو اسے بڑی کھلی تھی۔ وہ قمیص پہن کر بڑا مزاحیہ لگ رہا تھا۔ بچے اس کا مضحکہ خیز جلیہ دیکھ کر تہمتے لگانے لگے۔ اس طرح بچوں نے ایک ایک کر کے تمام کپڑے بطنی کے حوالے کر دیئے۔ بطنیوں نے بچوں کے کپڑے پہن کر زمین پر لوٹیاں لگائی،



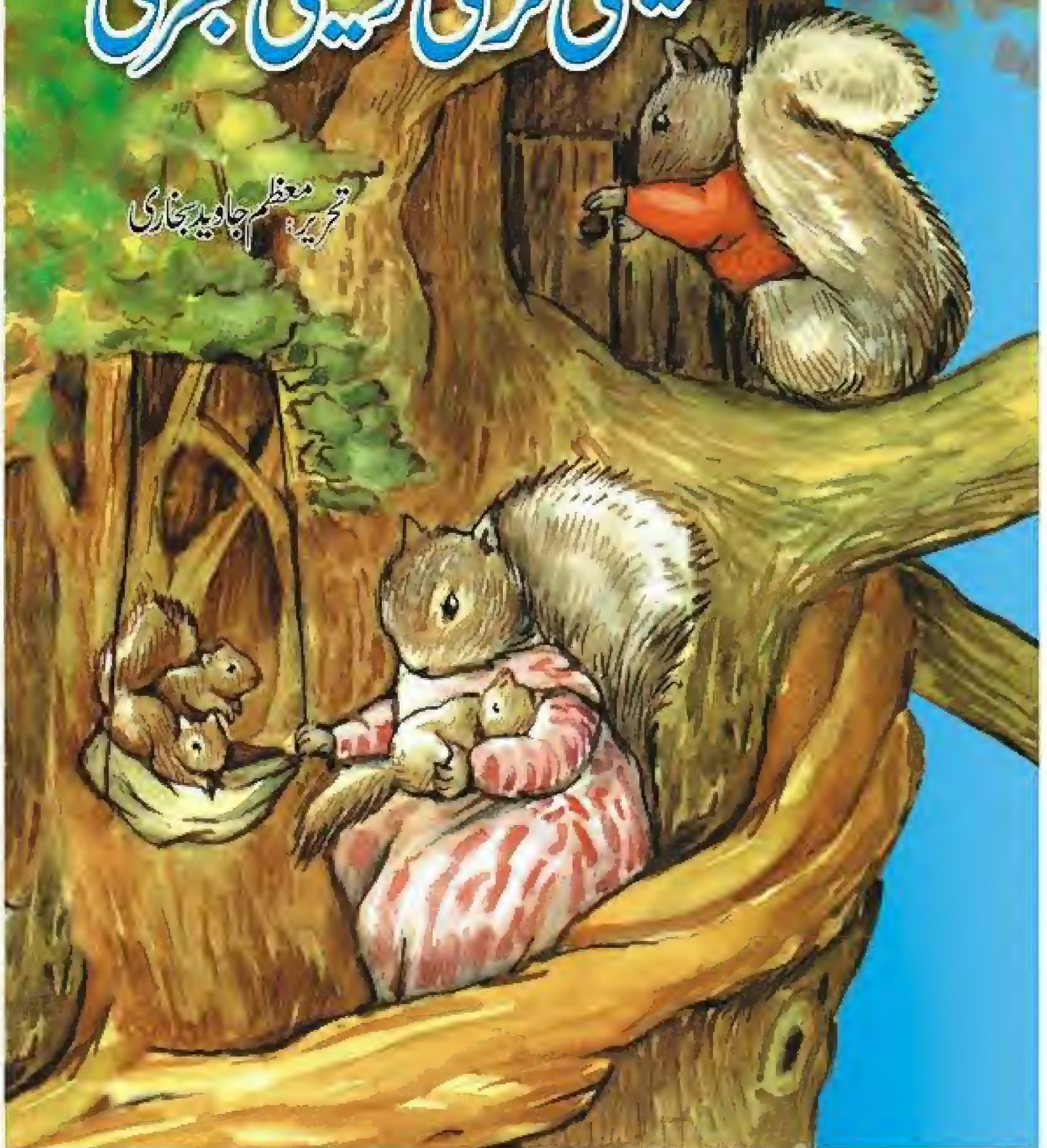


قلا بازیاں کھائیں اور کئی طرح کے کرتب کر کے دکھائے۔ ان کے تماشے دیکھ دیکھ کر بچوں کا برا حال ہو رہا تھا۔  
 ہنسی تھی کہ بند ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ بطنوں نے بلی کے بچوں کے کپڑوں کی ایسی درگت بنا ڈالی کہ وہ  
 دیکھنے کے قابل تک نہ رہے تھے جبکہ بچے ان کی حرکت سے بے خبر ان کی مستیوں میں ایسے گم تھے کہ انہیں ذرا  
 بھرا احساس نہ ہوا کہ بطنوں نے ان کے نئے اور پیارے کپڑوں کا ستیاناس کر ڈالا ہے۔ بطنوں نے کپڑے زمین  
 پر پھینکے اور قطار میں چلتے ہوئے اپنی راہ لی۔ بچے ان کو ملٹک ملٹک کر جاتے ہوئے دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو  
 رہے تھے۔ کچھ دیر بعد بطنے ان کی نظروں کے سامنے سے اوچھل ہو گئے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ زینت  
 نے گھر سے باہر نکل کر بچوں کو آواز دی کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ زینت کی نظر جب بچوں پر پڑی تو ان کے  
 کپڑے نہ دیکھ کر وہ بڑی حیران اور پریشان ہوئی اور ان سے کپڑوں کے بارے میں دریافت کیا۔ بچوں کو جب  
 کپڑوں کا خیال آیا تو انہوں نے زمین پر نظر ڈالی۔ ان کے کپڑے مٹی میں اٹے پڑے تھے۔ وہ حیرت و خوف  
 سے کبھی اپنے کپڑوں کو اور کبھی بطنوں کے گم ہونے والے راستے کو دیکھتے۔ انہیں سمجھ آ چکی تھی کہ بطنوں نے ان  
 کے ساتھ کیا کھیل کھیلا تھا مگر وہ اب کیا کر سکتے تھے؟ وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ زینت نے جب یہ  
 سب دیکھا تو اس نے غصے سے چھتری اٹھالی اور بچوں کی ایسی خبر لی کہ انہیں بھولی ہوئی نانی یاد آ گئی۔



# جیسی کرنی ویسی بھرنی

تحریر: معظم جاوید بخاری





# جیسی کرنی ویسی بھرنی

تحریر: معظم جاوید بخاری



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جنگل میں ایک چھوٹی سی گلہری اپنی سوتیلی ماں اور چھوٹی سوتیلی بہن کے ساتھ رہتی تھی۔ اس ننھی گلہری کا نام خاشمہ تھا۔ اس کی سوتیلی ماں اس پر بڑے ظلم ڈھاتی تھی۔ وہ اسے ساتھ لئے سارا دن جنگل میں پھرتی رہتی۔ خاشمہ کا دل کرتا کہ وہ اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ ملکر خوب کھیلے کودے مگر سوتیلی ماں کو یہ سب پسند نہیں تھا۔ وہ اسے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھتی۔ وہ تمام دن جنگل میں گھوم پھر کر پکی ہوئی انجیریں تلاش کرتی جو درختوں سے خشک ہو کر زمین پر گر جاتی تھیں۔ اس کی سوتیلی ماں نے اسے ایک بڑا سا تھیلا دے رکھا تھا جس میں وہ زمین سے انجیریں چن کر بھرتی رہتی اور شام ہونے سے پہلے وہ تھیلا کمر پر اٹھائے گھر لوٹ آتی اس کی چھوٹی بہن کے پاس رنگ برنگے کپڑے تھے جنہیں بہن کروہ شہزادی دکھائی دیتی تھی جبکہ اس کے پاس ایک ہی سرخ رنگ کی قمیض تھی جو کئی جگہ سے گل کر پھٹ چکی تھی۔ وہ اسی قمیض کو دھو کر بہن لیتی۔ اس کی سوتیلی ماں کئی بار اس کے ساتھ جنگل میں جاتی تاکہ وہ نظر بچا کر کھیل کود میں مصروف نہ ہو جائے کیونکہ کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ خاشمہ سوتیلی ماں کو قریب نہ پا کر اپنی دوست گلہریوں کے ساتھ کھیل کود میں





مصروف ہو جاتی اور انجیریں اکٹھی نہ کر پاتی۔ جس پر خاشمہ کی سوتیلی ماں اسے چھڑی سے خوب پیٹتی۔ اس دن اسے کھانے کو بھی کچھ نہیں ملتا تھا۔ تمام رات اسے بھوکے ہی گزارنا پڑتی۔ کچھ عرصہ تو ایسا ہوتا رہا پھر اس نے نظر بچا کر انجیریں کھانا شروع کر دیں۔ ایک دن اس کی سوتیلی ماں نے اسے انجیر کھاتے دیکھ لیا۔ پھر کیا تھا؟ اس نے چھڑی سے خاشمہ کو اتار مارا کہ اس کے جسم پر نیل پڑ گئے۔ اس دن کے بعد خاشمہ نے کانوں کو ہاتھ لگا لیا کہ وہ آئندہ انجیروں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گی۔ خاشمہ انجیروں کو تھیلہ بھر کر اپنی ماں کو لا کر دیتی تو وہ اس میں انجیریں گن کر حساب کتاب لگاتی رہتی۔ خاشمہ کی سوتیلی ماں نے موسم برسات کی آمد دیکھی تو اس نے درخت کے بالائی حصے میں ایک طوطے کے ساتھ سودا بازی کر کے اس کا گھونسلہ خرید لیا۔ وہ گھونسلہ کافی اونچا تھا اور درخت کے اندر کافی گہرائی تک پھیلا ہوا تھا۔ خاشمہ کی ماں نے اسے حکم دیا کہ وہ نیچے والی کھود میں سے تمام انجیریں نکال کر تھیلے میں بھرے اور اوپر لے جا کر گھونسلے میں ڈال دے۔ یہ بڑا محنت طلب اور مشکل کام تھا۔ خاشمہ نے کوشش کر کے انجیریں اوپر چڑھانا شروع کی مگر کئی بار اس سے انجیروں کا تھیلہ نیچے گر جاتا اور انجیریں





زمین پر بکھر جاتیں۔ یہ دیکھ کر سوتیلی ماں کے دل میں خیال آیا کہ اگر خاشمہ یونہی انجیریں زمین پر گراتی رہی تو تمام انجیریں خراب ہو جائیں گی۔ اس نے اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ وہ گھونسے کے قریب ایک شاخ پر بیٹھ جاتی۔ جب خاشمہ انجیروں کا تھیلا لے کر وہاں پہنچتی تو وہ اس سے تھیلا پکڑ کر تمام لیتی اور اس میں ایک ایک انجیر نکال کر اسے دیتی جاتی۔ خاشمہ گھونسے کے منہ پر کھڑی ہو کر انجیر اس میں پھینکتی رہتی۔ اس طرح انجیروں کا تھیلا ختم ہو جاتا اور کوئی انجیر زمین پر نہ گرتی۔ انجیریں کافی زیادہ تھیں اور موسم برسات شروع ہونے والا تھا۔ سوتیلی ماں نے خاشمہ کو آرام کرنے نہ دیا اور ہر وقت اسے کام میں لگانے رکھا۔ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے خاشمہ کی طبیعت بگڑنے لگی اور پھر ایک دن اسے بخار چڑھ گیا۔ وہ بخار کی شدت سے نڈھال ہو کر گھونسے کے اندر گر کر





انجیروں پر بے ہوش ہو گئی۔ سوتیلی ماں نے جب اسے بے ہوش دیکھا تو سوچا کہ کچھ دیر آرام کر لینے کے بعد اس کی طبیعت خود بخود صحیح ہو جائے تو وہ اسے دوبارہ کام پر لگا دے گی۔ خاشمہ کو جب دوا نہ ملی تو اس کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی۔ اس کی سوتیلی ماں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ درخت کے اونچے گھونسلے میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جو تنے کے اندر سے ہو کر نیچے کی طرف جاتا تھا۔ اس سوراخ کے دوسری طرف ایک چوہے کی بل تھی۔ وہ چوہا اکثر اوپر گھونسلے میں آتا اور وہاں سے ایک انجیر اٹھا کر نیچے لے جاتا۔ وہ اُس دن جب انجیر لینے کیلئے وہاں پہنچا تو ایک گلہری کو بے سدھ دیکھ کر اسے بڑی حیرانگی ہوئی۔ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ جب اس نے اس کے جسم کو چھو کر دیکھا تو وہ بری طرح تپ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ گلہری کو سخت بخار ہے۔ اس نے گھونسلے سے باہر جھانک کر دائیں بائیں دیکھا تو اسے خاشمہ کی سوتیلی ماں ایک طرف کام کرتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کی لاپرواہی دیکھ چوہے کو بڑا غصہ آیا کیونکہ وہ اکثر خاشمہ کو اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ چوہا واپس اپنی





میں میں بھاگتا ہوا گیا اور وہاں سے گرم چائے بنا کر خاشمہ کے پاس چلا آیا۔ اس نے خاشمہ کو سہارا دے کر پلنگ پر لٹایا اور اسے گرم چائے پلائی۔ چوہے نے اپنی گرم چادر خاشمہ کے جسم پر ڈال کر اسے اچھی طرح لپیٹ دیا اور قریب بیٹھ کر اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹی کرنے لگا تاکہ اس کا بخار کم ہو جائے۔ چائے اور گرم چادر کی حرارت سے خاشمہ کو پسینہ آنے لگا۔ چوہے کی دیکھ بھال کے باعث شام تک خاشمہ کا بخار اتر گیا۔ اس کے جسم میں نقاہت موجود تھی جس کے باعث وہ اچھی طرح چل پھر نہیں سکتی تھی خاشمہ نے چوہے کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ جب کبھی اسے موقع ملے تو وہ اس کے احسان کا بدلہ ضرور اٹارے گی۔ چوہے نے ہنس کر کہا کہ اسے یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اس خدمت کے بدلے میں وہاں سے اپنے لئے کچھ انجیریں لے جا چکا ہے خاشمہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ چوہا وہاں سے انجیریں چراتا ہے تو وہ خوفزدہ ہو گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ





اس کی سوتیلی ماں نے انجیریں گن کر وہاں رکھی ہیں۔ جب وہ ان میں کمی پائے گی تو یقیناً خاشمہ کی شامت آجائے گی۔ اس نے چوہے کو بتایا کہ اس کی سوتیلی ماں اچھی نہیں ہے۔ چوہے نے اسے صبر کرنے کی تلقین کی۔ خاشمہ اس دوران یہ تہیہ کر چکی تھی کہ وہ جنگل میں جا کر اتنی انجیریں اور اکٹھی کر کے وہاں ڈال دے گی جتنی کہ چوہا وہاں سے چرا کر لے گیا تھا۔ جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو سوتیلی ماں کو خاشمہ کا خیال آیا۔ وہ گھونسلے میں جھانک کر اندر دیکھنے لگی۔ جب اسے خاشمہ ایک طرف بیٹھی ہوئی دکھائی دی تو اس کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے خاشمہ کو گھونسلے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ خاشمہ سے ابھی صحیح طرح چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ بمشکل گھونسلے سے نکلی اور باہر آ گئی۔ خاشمہ کی سوتیلی ماں نے اسے خوب برا بھلا کہا اور اس کا مختصر سا سامان اس کے ہاتھ میں تھما کر اپنے گھر سے نکال باہر کیا۔ خاشمہ کے پاس رہنے کیلئے کوئی دوسری جگہ نہیں تھی، وہ پریشان ہو کر ایک شاخ پر





بیٹھ گئی۔ چوہادرخت کی جڑ میں موجود اپنی بل میں کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اسے خاشمہ کی سوتیلی ماں پر بڑا غصہ آیا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کچھ کھانا نکال کر خاشمہ کے حوالے کیا اور اسے تسلی دی رات خیریت سے گزر گئی۔ اگلی صبح خاشمہ کی سوتیلی ماں اپنے گھر سے نکلی اور اس کی پرواہ کئے بغیر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ خاشمہ پریشانی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی۔ چوہے نے دن میں بھی اسے کچھ خوراک لا کر دی جس کے باعث اس کی نقاہت جاتی رہی۔ جب اسے اپنی طبیعت میں کچھ بہتری نظر آئی تو اس نے چوہے کے احسان کا بدلہ اُتارنے کی ٹھانی۔ وہ جنگل میں دور نکل گئی۔ اس نے کئی جگہ پر انجیر کے خشک پھل کی تلاش کی مگر اسے وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ایک جگہ پر اسے جلی ہوئی لکڑیاں دکھائی دیں۔ وہاں کوئی مسافر ٹھہر کر رات بسر کرنے کے بعد جا چکا تھا۔ خاشمہ نے اس جگہ پہنچ کر اس کا جائزہ لیا تو اسے ایک طرف خشک روٹی کے کچھ ٹکڑے



کرے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس نے جلدی سے  
وہ نکلے اکٹھے کر کے اپنی قمیص میں ٹھونس لئے۔ ابھی  
وہ اس کام سے فارغ ہوئی تھی کہ اسے بھنے پنے  
دکھائی دیئے جو کاغذ کی پڑیا میں لپٹے ہوئے تھے۔  
مسافر شاید جلدی میں انہیں بھول گیا تھا۔ وہ  
اتنی مقدار میں تھے کہ کئی دن تک ختم نہ ہو  
سکتے تھے۔ خاشمہ غیبی مدد پر بہت خوش ہوئی۔  
اس نے کاغذ کی پڑیا باندھ کر واپسی کی راہ لی۔  
وہ جب چوہے کی بل کے پاس پہنچی تو بارش



شروع ہو گئی۔ خاشمہ نے چوہے کو آواز دے کر سب چیزیں اس کے حوالے کیں۔ چوہاروٹی کے ٹکڑے دیکھ کر بڑا  
خوش ہوا۔ اس نے سب چیزیں اس سے لے کر اپنی بل میں چھپا دیں۔

خاشمہ درخت کی شاخ پر اپنی چھتری پھیلائے بارش میں بیٹھی بھٹکتی رہی۔ جونہی بارش بند ہوئی تو ایک  
خوفناک آواز سے خاشمہ کا دل دہل کر رہ گیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور بڑا بھالو ادھر آتا ہوا دکھائی دیا۔ خاشمہ  
نے چیخ کر اپنی سوتیلی ماں کو بھالو کی آمد سے خبردار کیا مگر اس نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔ بھالو اسی  
درخت کے قریب پہنچ گیا جہاں گھونسلا تھا۔ چوہے نے خاشمہ کو آواز دے کر اپنی بل میں بلا لیا۔ وہ دونوں چھپ  
کر دیکھنے لگے۔ بھالو نے درخت میں گھونسلا پا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے گھونسلے میں ہاتھ ڈال کر گھبر یوں کو  
باہر پھینک دیا اور خود انجیریں نکال نکال کر کھانے لگا۔ جب گھونسلے میں کچھ باقی نہ بچا تو درخت سے نیچے اترا اور  
ایک طرف چل دیا۔ خاشمہ کی سوتیلی ماں بھالو کے ہاتھ میں دب جانے کے باعث جانبر نہ ہو سکی جبکہ اس کی  
چھوٹی بہن روتی ہوئی ایک طرف بیٹھی دکھائی دی۔ خاشمہ نے اسے تسلی دی اور نیچے والی کھوہ میں اپنا بسیرا بنالیا۔  
برسات کے موسم میں چوہے نے ان دونوں کی خوب مدد کی اور یوں وہ بھسی خوشی رہنے لگیں۔ دیکھا بچو! اگر کسی  
کے ساتھ برا سلوک کیا جائے تو ایک دن اس کا بدلہ مل جاتا ہے۔



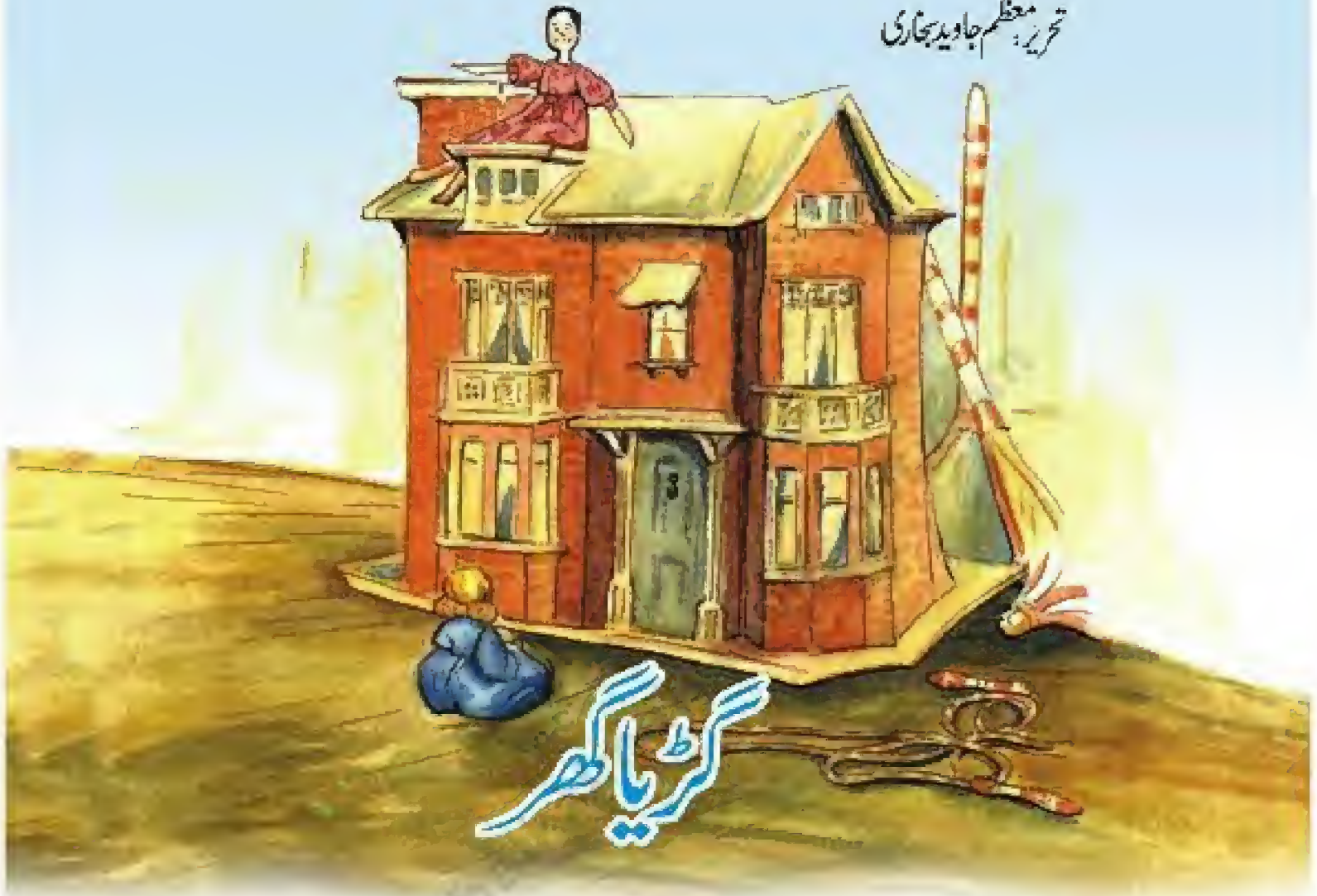
# گریٹا گم

تحریر: معتمد جاوید بخاری





تحریر: معظم جاوید بخاری



ایک گھر میں بچوں نے چھوٹا سا گڑیا گھر بنایا۔ اس میں ہر قسم کی چیزیں رکھیں اور اسے خوب سجایا۔ اس میں کپڑے، پردے، فرنیچر اور ہر طرح کا سامان موجود تھا۔ بچوں نے ایک گڑیا اور ایک گڈا اس میں رکھ کر اس گھر کو مکمل کر دیا۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ اس گھر میں کہیں سے دو چوہے آ گئے۔ وہ دونوں میاں بیوی تھے اور خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر مارے پھرتے تھے۔ وہ جب اس گھر میں پہنچے تو انہیں اپنے رہنے کیلئے کوئی بل دکھائی نہ دی۔ گھر میں ان کی ضرورت کے مطابق خوراک تو موجود تھی مگر سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ چوہیا نے چوہے کو مشورہ دیا کہ وہ اب کہیں اور نہیں جائیں گے بلکہ یہیں رہیں گے۔ چوہا خود بھی خوراک کی فراوانی دیکھ کر وہیں ٹھہرنے کا سوچ رہا تھا۔ اس نے گھر کے تمام درتے کھنگال ڈالے مگر اسے کوئی ایسا سوراخ





دکھائی نہ دیا جسے مل بنایا جاسکتا ہو۔ چوہے نے دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھا کہ شاید کوئی کھوکھلی ہو اور وہ اپنے نوکیلے دانتوں سے وہاں سوراخ بنالے مگر اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چوہیا بھی سر چھپانے کی تلاش جگہ ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اچانک اسے گڑیا گھر دکھائی دیا۔ جو بالکل الگ تھلگ اور ایک کونے میں پڑا ہوا تھا۔ چوہیا نے اس کے قریب جا کر دیکھا تو یہ اسے بڑا اچھا لگا۔ اس نے چوہے کو آواز دے کر بلایا اور اس گڑیا گھر کے بارے میں اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ چوہے نے گڑیا گھر کو چاروں طرف سے دیکھا۔ یہ دیکھنے کو تو محفوظ لگتا تھا مگر کیا اس کے سر چھپانے کیلئے وہ صحیح ثابت ہو سکتا تھا۔ چوہا چوہیا کو ساتھ لئے گڑیا گھر میں داخل ہو گیا۔ وہ جب دروازے سے اندر داخل ہوئے تو انہیں بڑی حیرت ہوئی گڑیا گھر کے فرش پر خوبصورت اور نرم





ولائمِ قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر نفیس پردے آویزاں تھے اور گڑیا گھر میں میز کرسیاں اور فانوس بھی موجود تھے۔ وہ دونوں ڈرتے ڈرتے اندر کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ایک طرف گملوں میں پھولوں والے پودے پڑے تھے۔ گھر بڑا دلکش اور دیدہ زیب تھا۔ وہ دونوں چند قدم آگے بڑھے تو انہیں سامنے کھانے کی میز دکھائی دی جس کے گرد کرسی نفاست سے سجائی گئی تھیں۔ میز پر چھوٹی چھوٹی پلیٹوں میں کھانا موجود تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ان کیلئے دعوت کا انتظام کر رکھا ہو۔ چوہا اور چوہیا نے جب کھانا دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ چوہیا کھانے کی طرف لپکنے لگی تو چوہے نے اسے روکا اور باقی کمروں میں جھانکنے لگا کہیں وہاں کوئی موجود نہ ہو۔ جب اس نے سارے گھر میں کسی کو نہ پایا تو وہ کھانے کی میز کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں نے چھری کا غٹا





اٹھایا اور سلیقے سے کھانا کھانے لگے۔ پلیٹوں میں مچھلی اور گوشت کے پارچے اور سبزیوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔ چوہے نے کانٹے سے گوشت کو پکڑا اور چھری سے اسے کاٹ کر دوسری پلیٹ میں ڈالنے لگا۔ اس نے چھری سے اسے کاٹ کر دوسری پلیٹ میں ڈالنے لگا۔ اس نے ایک پلیٹ چوہیا کی طرف بڑھادی اور دوسری میں خود کھانے لگا۔ وہ بڑی تہذیب سے کھانا کھا رہے تھے۔ گوشت کے پارچوں کو ختم کر لینے کے بعد وہ سبزی اور پھلوں کے ٹکڑوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے کچھ ہی دیر میں ان کا بھی صفایا پھیر دیا۔ اب دسترخوان پر صرف مچھلی کے پارچے بچے تھے۔ چوہے نے چھری کانٹے کی مدد سے انہیں کاٹنا شروع کیا۔ وہ بڑے سخت تھے۔ چوہے نے زور لگایا تو مچھلی کا پارچہ پلیٹ میں سے پھسل گیا۔ چوہے اس دوران خود پر قابو نہ رکھ سکا اور کرسی سمیت فرش پر الٹ گیا۔ اس نے گرنے سے بچنے کیلئے میز کے کپڑے کو تھامنا چاہا تو وہ پلیٹوں سمیت





کھسک آیا۔ کئی پلیٹیں فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں اور کھانا بکھر گیا۔ چوہے کو یہ دیکھ کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے ایک طرف پڑا ہوا شمع دان اٹھایا اور گرمی ہوئی پلیٹوں کو پیٹنے لگا۔ چوبیا خاموش بیٹھی ہوئی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اس نے چوہے کو منع کیا کہ شور مت کرو ورنہ کوئی اس طرف آ گیا تو انہیں یہ گڑیا گھر چھوڑنا پڑ جائے گا۔ چوبیا یہ سن کر رُک گیا۔ اس نے کھانے کی میز کو چھوڑا اور ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ ننھی ننھی سیڑھیاں چڑھتا ہوا گڑیا گھر کی چمنی میں پہنچ گیا۔ چمنی میں سے اس نے گردن نکال کر باہر کا جائزہ لیا کہ شاید کوئی شور سن کر اس طرف آ رہا ہو مگر باہر ہر طرف سکون تھا۔ چوبیا بھی دوسری چمنی میں پہنچ کر باہر دیکھنے لگی۔ وہ کافی دیر تک وہیں ٹھہرے رہے۔ جب کافی دیر گزر گئی اور کوئی اس طرف نہ آیا تو ان دونوں کو اطمینان ہو گیا۔ چوبیا نے چوہے کو تنبیہ کی کہ وہ آئندہ ایسی





حرکت نہ کرے کیونکہ اس طرح ان سے یہ گڑیا گھر چھن سکتا ہے۔ چوہے نے چوہیا کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اپنے غصے پر قابو رکھے گا اور بلاوجہ ایسی حرکت نہیں کرے گا جس سے گھر کی چیزوں کا نقصان ہو اور گھر چھن جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ جب رات پڑ گئی تو وہ دونوں سونے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ ایک کمرے میں انہیں ایک بستر لگا ہوا دکھائی دیا۔ وہ بستر اتنا بڑا نہیں تھا کہ وہ دونوں اکٹھے سو پاتے۔ چوہیا نے کہا کہ وہ اس بستر پر سو جاتی ہے اور چوہا دوسرے کمرے میں اپنا بستر لگا کر سو جائے۔ چوہا جگہ کی کمی دیکھ کر آمادہ ہو گیا۔ جب سونے کی باری آئی تو انہوں نے دیکھا کہ پورے گھر میں صرف ایک تکیہ موجود تھا۔ چوہے نے کہا کہ وہ تکیہ لے گا کیونکہ چوہیا نے نرم بستر لیا ہے، چوہیا ضد کرنے لگی کہ بغیر تکیے کے اسے نیند نہیں آئے گی اس لئے تکیہ وہ لے





گی۔ دونوں میں دھینگا مشتی شروع ہو گئی۔ وہ دونوں تکیے کو منہ میں دبائے اپنی اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اسی کھینچا تانی میں تکیہ پھٹ گیا اور اس کی روئی سارے گھر میں بکھر گئی۔ جب تکیہ اس قابل نہ رہا کہ کسی کے استعمال میں آ سکے تو وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف شرمندگی سے دیکھنے لگے۔ چوبیا نے کہا کہ اگر چوبیا ایسا ہی کرتا رہے گا تو جلد ہی گھر کے مکیں کو ان کے بارے میں معلوم ہو جائے گا اور پھر وہ انہیں اس گھر میں نہیں رہنے دیں گے۔ کے بارے میں معلوم ہو جائے گا اور پھر وہ انہیں اس گھر میں نہیں رہنے دیں گے۔ چوبے کو اپنے کئے پر ندامت ہوئی۔ اس نے چوبیا سے معافی مانگی اور آئندہ احتیاط کرنے کا وعدہ کیا۔ پہلے دن کی لڑائی کے بعد ایسا سکون ہوا کہ وہ دونوں آپس میں کبھی نہیں لڑے اور نہ ہی چوبے کوئی ایسی بات کی جس سے گھر کے مکیں کو معلوم ہو جاتا





کہ گڑیا گھر میں چوہوں نے قبضہ جما لیا ہے۔ بچے روز اند گڑیا گھر کو دیکھنے آتے تو دونوں چوہے نیچے والے کمروں میں چھپ جاتے۔ بچوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ گڑیا گھر میں چوہے رہتے ہیں۔ وہ گڑیا گھر کی صفائی کرتے، پردے دھو کر لٹکاتے اور اپنی گڑیا گڈے کیلئے کھانا میز پر سجا کر واپس لوٹ جاتے۔ جب چوہوں کو اطمینان ہو جاتا کہ بچے اب واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے تو وہ اطمینان سے نکلتے اور میز پر لگا ہوا کھانا چٹ کر جاتے۔ ایسے ہی وقت گزرتا چلا گیا۔ پھر چوہیا نے ڈھیر سارے بچے دیئے جو گڑیا گھر میں یوں رہتے جیسے وہ ان کا اپنا گھر ہو۔ یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا کیونکہ گھر کے مکینوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ گڑیا گھر میں چوہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ گھر والوں نے گڑیا گھر کو چوہوں سمیت باہر کوڑے دان میں پھینک دیا جہاں سے وہ گڑیا گھر کوڑے کے ڈھیر میں پہنچ گیا۔ چوہوں کو اس اتنی محبت ہو چکی تھی کہ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے کوڑے کے ڈھیر پر بھی اسے اپنا گھر بنائے رکھا۔





# بھڑپے کی شامت

تحریر: معظم جاوید بخاری





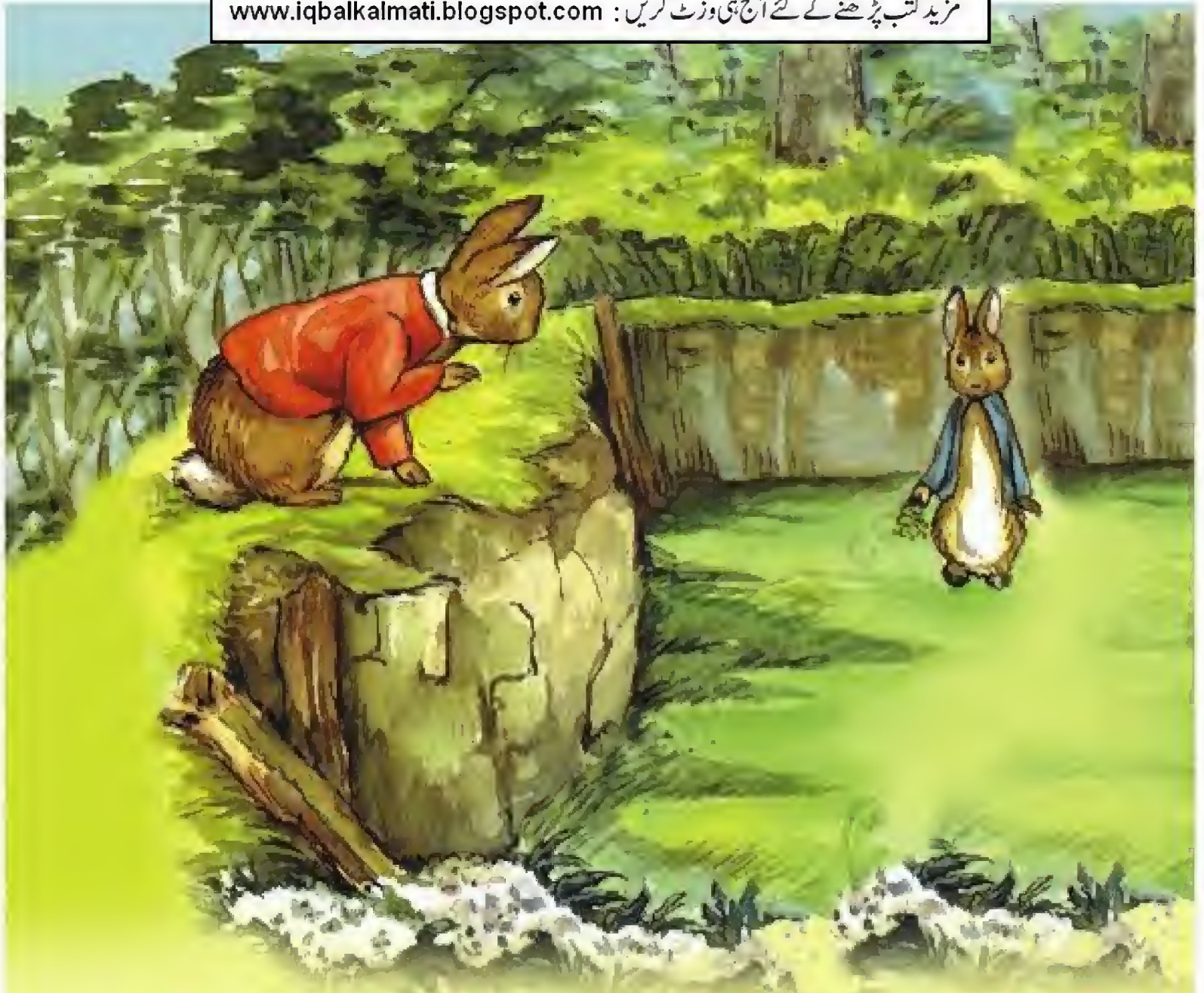
تحریر: معظّم جاوید بخاری



## بھیرے کی شامت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جنگل میں ایک سفید اور کالا ”اود بلا“ رہتا تھا جس کا نام تاڈ تھا۔ وہ بڑا مہربان اور رحم دل تھا۔ وہ جنگل میں ایک چھوٹی سی کٹیا میں رہائش پذیر تھا۔ وہ جنگل کے سب جانوروں کے کام آتا اور مشکل گھڑی میں ان کی دل کھول کر مدد کیا کرتا۔ اس جنگل میں کہیں سے ایک بھیریا آ گیا جو بڑا سنگدل اور ظالم تھا۔ وہ کمزور جانوروں کو بہت ستاتا اور ان سے کھانے پینے کی چیزیں چھین لیا کرتا۔ بھیرے کا نشانہ زیادہ تر جنگل کے معصوم خرگوش بنتے تھے۔ خرگوشوں نے تنگ آ کر جنگل میں آزادانہ گھومنا چھوڑ دیا اور ہر وقت اپنی بل میں گھسے رہتے۔ جنگلی خرگوشوں میں ایک چھوٹا خرگوش ”سباد“ نامی تھا جو اپنے کزن ”جفار“ کے ساتھ جنگل میں کھیلنا پسند کرتا تھا۔ اس کے خرگوش والدین نے اسے جنگل میں گھومنے پھرنے سے منع کر دیا تا کہ وہ بھیرے کے ظلم کا شکار نہ ہو جائے۔ سباد کو بھیرے پر بڑا غصہ آیا مگر وہ کیا کر سکتا تھا؟ ایک دن وہ نظر بچا کر جنگل میں نکل گیا۔ وہاں اس کی ملاقات تاڈ سے ہو گئی جو جنگل کے راستے میں ایک گڑھے کو نیچے کے ساتھ بھر رہا





تھا تاکہ آنے جانے والے اس میں نہ گر جائیں۔ تاؤ نے جب سباد کو دیکھا تو چونک پڑا۔ اس نے سباد کو اپنے پاس بلایا اور باقی خرگوشوں کی خیریت کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ اسے کافی دنوں سے جنگل میں خرگوش دکھائی نہیں دیئے تھے۔ سباد نے اسے بھیڑیے کے بارے میں بتایا تو تاؤ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے بھیڑیے کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سباد کو کہا کہ وہ بے فکری سے اس کے گھر پہنچ جائے۔ وہ فارغ ہو کر آتا ہے اور پھر وہ اس کے سامنے بھیڑیے کی خوب درگت بنائے گا۔ سباد کو تاؤ کی بات سن کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ بھیڑیے سے خلاصی پانے پر وہ آزادانہ جنگل میں کھیل سکتا تھا۔ وہ تاؤ کی ہدایت پر اس کے گھر کی طرف چل دیا۔ وہ اونچے ٹیلے پر چل رہا تھا کہ اسے نیچے وادی میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ سباد خوف سے کانپ گیا کہ کہیں بھیڑیا نیچے اس کی تاک میں نہ ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نیچے جھانکا تو کچھ دور اسے اپنا کزن جھارو دکھائی دیا۔ اسے



دیکھ کر سباد گوتسلی ہوئی۔ جفار نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا اور خیریت دریافت کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ اس کی عدم موجودگی پا کر اس کے ماں باپ نے جفار کو اس کی تلاش میں روانہ کیا ہے۔ سباد نے جفار کو تاڈ سے ملاقات کے بارے میں بتایا اور اس کی ہدایت کا ذکر کیا۔ جفار بھی بھیڑیے سے خوفزدہ تھا اس لئے اس نے سباد کو تاڈ کے گھر کی طرف جانے سے روکا اور کہا کہ وہ تاڈ کی فکر چھوڑ کر واپس گھر چلے جہاں اس کے ماں باپ پریشان بیٹھے ہیں۔ سباد نے جفار کی ایک نہیں مانی اور تاڈ کے گھر کی طرف جانے کی ضد برقرار رکھی۔ جفار نے جب یہ دیکھا کہ سباد اس کی بات نہیں مان رہا تو وہ مجبوراً اس کے ساتھ ہولیا کیونکہ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔ اچانک ان کی نظر بھیڑیے پر پڑی جو کچھ فاصلے پر ایک طرف جا رہا تھا۔ وہ دونوں خرگوش ایک پہاڑی کی آڑ کے پیچھے چھپ گئے۔ جفار نے سباد کو سختی سے کہا کہ آگے بڑھنا خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے لہذا واپس چلتے ہیں۔ سباد نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بھیڑیے پر نظریں جمارکھی







تھیں۔ اس نے جفا کو کہا کہ بھیڑیے کا رخ تاڈ کے گھر کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چلو اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ جفا نے جب یہ سنا تو پریشان ہو گیا کیونکہ وہ بھیڑیے کا پیچھا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سباد کے اصرار پر اسے چلنا پڑا۔ وہ دونوں چھپتے چھپاتے بھیڑیے کا تعاقب کرنے لگے۔ سباد کا خیال درست نکلا، بھیڑیا تاڈ کے گھر کے پاس پہنچ کر رک گیا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ گھر میں کوئی ہے یا نہیں۔ وہ چلتا ہوا گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دھیرے سے دروازے کا پٹ کھولا اور جھانک کر اندر دیکھا تو اسے تاڈ بستر پر گہری نیند سو رہا ہوا دکھائی دیا۔ بھیڑیا اسے سوتا دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ سباد، جفا کو ساتھ لئے تاڈ کے گھر کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں اسے ایک روشن دان دکھائی دیا۔ سباد تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں دوست جھانک کر کمرے کا منظر دیکھنے لگے۔ تاڈ بستر پر ناگٹیں پھیلائے گہری نیند سو رہا تھا۔ جفا نے یہ دیکھ کر سباد سے پوچھا کہ وہ جنگل میں





کس سے مل کر آیا ہے؟ تاؤ تو یہاں گہری نیند سو رہا ہے۔ سباد کو یہ دیکھ کر بڑی خیرت ہوئی کیونکہ تاؤ کچھ دیر پہلے ہی اسے جنگل میں ملا تھا جہاں وہ اپنے بیٹے کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لہذا وہ خاموش رہا۔ وہ دونوں خاموشی سے اندر دیکھتے رہے۔ بھینٹ یا جو نہی دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس کا پاؤں زمین پر بندھی ہوئی رسی سے ٹکرا گیا۔ اس رسی کے دوسری طرف ایک خالی بالٹی بندھی ہوئی تھی جو تاؤ کے بستر کے اوپر ہوا میں لٹک رہی تھی۔ رسی کے ہٹنے سے بالٹی نے کھٹکا کیا۔ تاؤ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اٹھ کر دیکھا تو اسے سامنے بھینٹ یا دکھائی دیا۔ بھینٹ نے تاؤ کو بیدار دیکھ کر سلام کیا اور اس کی نیند خراب ہونے پر معذرت کی۔ تاؤ نے خوش اخلاقی سے اسے خوش آمدید کہا اور اسے بیٹھنے کیلئے کہا۔ بھینٹ یا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تاؤ نے اٹھ کر ایک کیتلی میں پانی ڈال کر گرم کیا اور چائے بنانا شروع کر دی۔ کچھ ہی دیر میں چائے بن چکی تھی۔ اس نے





چائے ایک کپ میں ڈال کر بھیڑیے کی طرف بڑھائی اور خود ایک الماری میں سے بسکٹ نکالنے لگا۔ بھیڑیے نے تاؤ کو بے خبر دیکھ کر جلدی سے اپنی جیب میں سے ایک پڑیا نکالی اور تاؤ کی چائے میں اندھیل دی۔ سہا اور جفا رید دیکھ کر چونک پڑے، وہ دونوں تاؤ کو آگاہ کرنا چاہتے تھے مگر اس کیلئے انہیں کمرے میں جانا ضروری تھا۔ تاؤ نے بسکٹوں کو پلیٹ میں ڈالا اور بھیڑیے کی طرف بڑھا دیا۔ بھیڑیے نے شکر چائے کے ساتھ بسکٹ لے لیا۔ تاؤ نے بھیڑیے سے اس کی آمد کے بارے میں دریافت کیا۔ اس سے پہلے بھیڑیا کچھ جواب دیتا۔ تاؤ کی نظر کپ کی پرچ پر جا پڑی جہاں سفید پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ جمی ہوئی تھی۔ تاؤ نے انگلی سے سفید پاؤڈر اٹھایا اور ناک کے قریب لے جا کر سونگھا۔ اسے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ بے ہوشی کر دینے والی دوا ہے۔ تاؤ نے زور سے چھینک مار کر اس پاؤڈر کے اثر کو زائل کیا اور اپنی پیالی اٹھا کر بھیڑیے کی طرف بڑھا دی۔ بھیڑیا یہ دیکھ کر ہڑبڑا





سا گیا۔ تاؤ نے غصے سے اس سے پوچھا کہ تم نے اس میں بے ہوشی کی دوا کیوں ملائی ہے؟ بھیڑیا فوراً قسمیں کھانے لگا کہ اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہے۔ تاؤ نے کہا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچا ہے تو وہ اس چائے کو پی لے۔ بھیڑیے نے اپنی خالی پیالی دکھا کر کہا کہ وہ اپنے حصے کی چائے پی چکا ہے اور اسے مزید چائے کی کوئی طلب نہیں ہے۔ تاؤ نے کہا کہ چائے تو اسے اب پینا ہی پڑی گی۔ بھیڑیا یہ سن کر مصنوعی غصے کا اظہار کرنے لگا کہ تاؤ گھر آئے مہمانوں کے ساتھ ایسی بدتمیزی کرتا ہے تو وہ بھول کر بھی اس کے گھر نہ آتا۔ تاؤ بھیڑیے کی فریب کاری کو سمجھ چکا تھا اس لئے اس نے اس کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ خاموشی سے چائے پی لے ورنہ وہ زبردستی چائے اس کے حلق میں انڈیل دے گا۔ بھیڑیا یہ سن کر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے چائے پینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ تاؤ نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ بھیڑیے کے منہ پر رسید





کیا۔ بھیڑیے کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ تاڈیوں بھی کر سکتا ہے۔ وہ چکرا کر زمین پر جا کر ا۔ تاڈے اس کے دونوں بازو اپنی ٹانگ کے نیچے دبائے اور چائے اس کے منہ میں ڈالنا شروع کر دی۔ بھیڑیے کافی کوشش کی کہ وہ چائے کو حلق سے اترنے نہ دے مگر تاڈے کے ایک گھونٹے نے اس کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ چائے کا ایک بڑا گھونٹ اس کے حلق میں اتر گیا۔ بھیڑیا تاڈے کے مقابلے میں زیادہ طاقتور نہ تھا، اسی لئے مار کھا گیا۔ بیہوشی کی دوانے فوراً اثر دکھایا اور بھیڑیا بے جان ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔ اس دھینگا مشتی کے دوران تاڈے کے کئی برتن ٹوٹ چکے تھے۔

سبا اور جفار نے بھیڑیے کو گرا دیکھ کر جوش سے نعرہ لگایا۔ تاڈے نے ان دونوں کو اندر بلا لیا۔ وہ دونوں تاڈے کی تعریف کر رہے تھے۔ تاڈے نے بھیڑیے کو اس کی جیکٹ میں اچھی طرح باندھا اور ان دونوں کے حوالے کر دیا۔ سبا حیرت سے تاڈے کو دیکھنے لگا۔ تاڈے نے ہنس کر کہا کہ وہ اس گٹھڑی کو اٹھا کر قریبی ندی پر لے جائیں اور اس میں پھینک دیں تاکہ بھیڑیا آج کے بعد کسی کو بھی تنگ نہ کر سکے۔ دونوں خرگوش بھیڑیے کی گٹھڑی اٹھائے بیٹھے ہوئے ندی کی طرف چل دیئے۔ کچھ دیر بعد وہ بے ہوش بھیڑیے کو ندی کی لہروں کے حوالے کر کے واپس لوٹ آئے۔ بھیڑیے سے جنگلی جانوروں کی جان ہمیشہ کیلئے چھٹ چکی تھی۔





# عقلمند چوہیا

تحریر: معظم جاوید بخاری







ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹی پہاڑی کے میں کئی بل تھے، جن میں کئی چوہوں نے بسیرا کر رکھا تھا۔ یہ مٹی کی پہاڑی تھی جس پر طرح طرح کے پودے پھیلے ہوئے تھے۔ پودوں کے درمیان میں چوہوں کی بل تھیں جو عام طور پر دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ ان بلوں میں ایک بل ایک چوہیا کی تھی جس کا نام زیمیا تھا۔ یہ بالکل اکیلی رہتی تھی۔ دوسرے چوہوں کی نسبت اسے عقل سے کچھ کچھ واسطہ تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر چوہے اپنے مسائل لے کر اس کے پاس چلے آتے اور زیمیا انہیں اپنی عقل و فہم کے مطابق حل بتا دیتی۔ اس کے مشورے اکثر چوہوں کے مشکل کو دور کر دیتے تھے۔ اسی لئے زیمیا کو سب چوہے بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک بار یوں ہوا کہ برسات کی بارشیں خوب برسیں جس کے باعث کئی کیڑے مکوڑے اور دوسرے جانور گھبرا کر ان بلوں کی طرف آ گئے۔ چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے تو چوہوں کی غذا بن گئے جبکہ بڑے کیڑوں کو انہوں نے وہاں





سے بھگا ڈالا۔ انہی نووارد جانوروں میں ایک چھوٹا کچھوا بھی شامل تھا جو جسامت میں چوہوں سے تھوڑا سا بڑا تھا۔ وہ ہر کسی کی بل میں گھس جاتا اور وہاں موجود خیرہ کی گنی خوراک چٹ کر جاتا۔ چوہوں نے بڑی کوشش کی کہ اسے وہاں سے بھگا دیں مگر انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کچھوا بڑا ہوشیار اور چالاک تھا۔ وہ چوہوں کی ہر چال کو ناکام بنا دیتا تھا۔ تنگ آ کر سب چوہے زیمیا کے پاس چلے آئے اور اس سے مدد طلب کی۔ زیمیا نے کچھوے کے بارے میں سوال جواب کئے تاکہ اسے اس کی جسامت اور چلنے سے آگاہی ہو سکے۔ چوہوں نے اپنی معلومات کے مطابق اس کے سامنے کچھوے کی تصویر کھینچ دی۔ زیمیا کچھوے کے چلنے سے باخبر ہو چکی تھی۔ زیمیا نے سب چوہوں کو تسلی دی کہ وہ بے فکر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو جائیں، میں ایک آدھ دن میں کچھوے سے نجات کے بارے میں کچھ سوچتی ہوں۔ سب چوہے زیمیا کی تسلی پر واپس لوٹ گئے۔ زیمیا کو معلوم نہیں تھا کہ کچھ





دور پودوں کی آڑ میں کچھوا اس کی سب باتیں سن رہا تھا۔ کچھوے نے پہلے زیما کو سبق سکھانے کا ارادہ ٹھان لیا تھا۔ وہ چپکے سے زیما کی بل میں داخل ہو گیا۔ زیما چوہوں کو رخصت کرنے کے بعد کچھوے کے بارے میں سوچنے لگی کہ اس سے کیسے جان چھڑائی جائے؟ کچھوے دیر سوچنے کے بعد اس کے چہرے پر گہرا اطمینان پھیل گیا جیسے وہ کوئی فیصلہ کر چکی ہو۔ زیما کپڑے جھاڑ کر اپنی بل میں داخل ہو گئی۔ وہ ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کر پائی تھی کہ اُسے راہداری میں کچھ حرکت محسوس ہوئی۔ وہ چونک پڑی۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی بل میں ایک لال بھکڑ گھس آیا تھا۔ یہ سرخ رنگ کی کالے دھبوں والی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ لال بھکڑ کی جرأت دیکھ کر زیما کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے جلدی سے اپنی قمیص میں سے ایک مارچ نکالی اور اس کا ہٹن دبا کر اسے روشن کر دیا۔ تیز زرد روشنی پوری راہداری میں پھیل گئی۔ لال بھکڑ روشنی سے بڑے ڈرتے تھے اس لئے وہ





اپنے قریب روشنی دیکھ کر گھبرا اٹھا۔ زیمانے نارچ کی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں ڈالی تو وہ تکلیف سے تڑپ کر رہ گیا۔ وہ زمین پر الٹ کر دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے روشنی سے بچنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ جب تکلیف اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ عاجزی و انکساری سے زیمانے کی منت سماجت کرنے لگا کہ وہ اس عذاب کو ختم کر دے۔ زیمانے روشنی بند کرنے کیلئے یہ شرط رکھی کہ اگر وہ خاموشی کے ساتھ اس کی بل میں باہر نکل جائے اور آئندہ کسی بھی چوہے کی بل میں داخل نہ ہو تو وہ اس کی جان بخش سکتی ہے ورنہ وہ اسے تیز روشنی میں ہی جلا ڈالے گی۔ لال بھکڑو نے فوراً شرط مان لی اور زیمانے نارچ کی روشنی اس کی آنکھوں سے ہٹائی۔ جان بچنے پر لال بھکڑو نے فوراً ہی باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ زیمانے کو جب اطمینان ہو گیا کہ لال بھکڑو واقعی وہاں سے جا چکا ہے تو وہ نارچ کو بند کر کے اندر کی طرف چل دی جو نبی وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو اس کا سر چکرا کر رہ گیا کیونکہ وہاں





عجیب سا جانور ارغوانی رنگ کا گاؤں پہنے زیما کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ زیما اس کی صورت نہیں دیکھ سکتی تھی کیونکہ اس کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ جب وہ اس کے قریب پہنچی تو اس جانور نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا حلیہ دیکھ کر زیما کو اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ کچھوا ہی ہو سکتا ہے۔ کچھوا نے زیما کو دیکھ کر دانت نکال دیئے۔ زیما نے اس سے سوال جواب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ سیدھی باورچی خانے میں چلی آئی اور اپنی فریج میں سے دو موٹے موٹے سرخ پیر نکالے۔ بیروں کو طشت میں رکھ کر وہ کچھوے کے پاس چلی آئی۔ کچھوا حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ زیما نے سرخ پیر کچھوے کو پیش کئے اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ”اس وقت گھر میں اور کوئی چیز تیار نہیں ہے ورنہ وہ مہمان کی خاطر تو واضح زیادہ اہتمام سے کرتی۔ کچھوے نے شکر یہ ادا کئے بغیر





دونوں سرخ بیر اٹھائے اور ایک ایک کر کے منہ میں ڈال لئے۔ پیروں کا گودا بڑا رسیلا اور میٹھا تھا۔ کچھوازیما کی خدمت سے بڑا خوش ہوا اور سوچنے لگا کہ وہ اب یہیں رہے گا، کم از کم بیٹھے بیر تو کھانے کو ملیں گے۔ کچھوے کو معلوم نہیں تھا کہ بیر کے اندر گتھلی ہوتی ہے جسے چوس کر پھینک دیا جاتا ہے۔ کچھوے نے لالچ میں آکر گتھلی نگلنے کی کوشش کی تو وہ اس کے حلق میں جا پھنسی۔ پھر کیا تھا؟ کچھوا تکیف سے بلبلا اٹھا۔ زیما کی ترکیب کار گر ثابت ہوئی تھی۔ زیما نے فوراً ہمدردی جتائی اور اس کی کمر پر ہاتھ مارے تاکہ گتھلی نکل جائے مگر کوئی فائدہ نہ ہو پایا۔ اس سے نہ تو بولا جا رہا تھا اور نہ ہی صحیح طرح سے سانس لی جا رہی تھی۔ سمجھ ہی دیر بعد کچھوے کو سانس لینا دشوار ہو گیا۔ زیما یہ دیکھ کر بڑی پریشان ہوئی کہ اگر کچھوا اس کی بل میں ہی مر گیا تو اسے کون اٹھا کر باہر لے جائے گا؟ اچانک اس کے ذہن میں ترکیب آئی۔ اس نے کچھوے کو کہا کہ اگر وہ فوراً ڈاکٹر کے پاس چلا جائے تو





وہ اس کی کچھ مدد کر سکتا ہے۔ کچھوا تکلیف سے نہایت پریشان تھا۔ اس نے بمشکل اشارے سے ڈاکٹر کے بارے میں پوچھا تو زیمیا نے فوراً اسے راستہ سمجھا دیا۔ کچھوا گر تا پڑتا اٹھا اور اس کے بتائے ہوئے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا حلق تھام رکھا تھا۔ زیمیا اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ راستہ بڑا خراب تھا۔ ہر طرف کچڑ پھیلا ہوا تھا۔ کچھوا اس سے بے خبر اپنی تکلیف کی شدت میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ زیمیا کچڑ کے شروع میں ہی رُک گئی تھی۔ وہ کچھوے کو آگے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ وہ کچڑ دراصل دلدل تھی جو کہ اپنے اندر آنے والے جانوروں کو نگل لیتی تھی۔ کچھوا جب کافی آگے بڑھ آیا تو اس کے پاؤں کچڑ میں جھنس گئے۔ کچھوے کو اپنا پاؤں اٹھانا دشوار ہو گیا۔ وہ حلق کی تکلیف کو بھول کر کچڑ سے پاؤں نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ جتنا اوپر کو زور لگاتا، دلدل اسے اتنا ہی نیچے کی طرف کھینچ لیتی۔ کچھوے کو اندازہ ہو چکا تھا کہ زیمیا نے اس کے ساتھ چالاکی کرتے ہوئے اسے کچڑ والی دلدل میں اتار دیا ہے۔ اب وہ کیا کر سکتا تھا؟ ایک طرف سرخ بیر کی





سمجھائی حلق میں پھنسی ہوئی اذیت پہنچا رہی تھی تو  
دوسری طرف دلدل آہستہ آہستہ اس کے جسم کو نگاتی  
جا رہی تھی۔ زیما خاموشی سے کھوے کو دلدل میں  
ڈوبتا ہوا دیکھتی رہی۔ جب کچھوا دلدل میں بالکل  
غائب ہو گیا تو اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس اپنے  
گھر لوٹ آئی۔ کھوے سے سب کی جان چھوٹ  
چکی تھی۔ برسات کا موسم بھی ختم ہو چکا  
تھا تیز دھوپ ہر طرف پھیل گئی تھی۔

کیڑے مکوڑوں اور جانوروں کی آمد کا سلسلہ

بھی رک چکا تھا۔ زیما نے محفوظ خوراک کو دھوپ لگوانے کا سوچا تا کہ اس میں سے برساتی نمی ختم ہو جائے۔  
اگلے دن اس نے محفوظ کیا ہوا پنیر باہر نکالا اور اسے دھوپ میں رکھ دیا تا کہ اس میں برسات کے اثرات ختم ہو  
جائیں۔ پنیر کی خوشبو جب فضا میں پھیلی تو تتلیوں نے اس طرف کی راہ لی۔ وہ پنیر پر بیٹھ کر اس کا رس چوس کر اڑ  
جاتیں۔ زیما یہ تماشا دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ پنیر کا رس ہی تو برساتی نمی تھی جس کا نکل جانا ضروری تھا۔ تیز دھوپ  
کے موسم کے آغاز پر چوہوں کو کسی کا خوف باقی نہیں رہا تھا۔ برسات کے باعث جو کیڑے مکوڑے وہاں آئے  
تھے ان سے جان چھوٹ چکی تھی اور کچھوا بھی اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ زیما نے سب چوہوں کو گھر میں بلا کر ان  
کی ضیافت کی اور انہیں ہنس بھس کر بتایا کہ اس نے کیا ترکیب لڑائی کہ کچھوا خود بخود اپنے پیروں سے چل کر  
دلدل میں جا گھسا اور پھر بے بسی کے عالم میں دلدل میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ زیما کی کہانی سن کر سب  
چوہوں نے خوب ہلہ گلا کیا۔





# آج بچائے تو کل کھائے!



تحریر: منظم جاوید بھاری



## آج بچائے تو کل کھائے!

تحریر: معظم جاوید بخاری

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چھوٹے سے گھر میں ایک پیاری سی لڑکی مینا رہا کرتی تھی۔ وہ سارا دن گھر کے کام کرتی اور رات کو تھک ہار کر سو جاتی۔ اس کے گھر میں چوہے بہت تھے اور مینا چوہوں سے بڑا ڈرتی تھی۔ اس نے اپنے پڑوسی سے چوہوں کی مصیبت کا ذکر کیا تو اس نے اسے مشورہ دیا کہ وہ بازار سے ایک بلی خرید لائے، گھر میں جب بلی آجائے گی تو چوہوں سے خود بخود نجات مل جائے گی۔ مینا کو یہ مشورہ بھلا لگا۔ اس نے بلیوں کی دکان پر فون گھمایا اور اسے چوہوں کو کھانے والی بلی بھیجنے کی ہدایت کی۔ دکاندار نے کہا کہ وہ بے فکر رہے شام تک بلی اس کے گھر پہنچ جائے گی۔ جب شام ہوئی تو کوئی ایک بڑی سی پالنے والی نوکری اس کے دروازے پر رکھ کر چلا گیا۔ اتفاق سے ایک موٹا چوہا اس طرف آنکلا۔ اس نے دروازے پر نوکری دیکھی تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ تو بچوں والی نوکری دکھائی دیتی ہے، اس کی کیا ہو سکتا ہے؟ چوہے کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس نے





اپنے ساتھیوں کو آگاہ کرنے کی ٹھانی۔ وہ جب اپنے ساتھیوں کے پاس جا رہا تھا۔ اسی وقت مینا باہر نکلی اور ٹوکری اٹھا کر اندر لے گئی۔ چوہے چلتے چلتے ٹھٹھک کر رُک گیا اور تجسس کے مارے مینا کے پیچھے کمرے میں چلا آیا۔ اس نے دیکھا کہ مینا ایک میز پر ٹوکری رکھ کر اس ڈھکن کھول رہی تھی۔ وہ ڈبک کر ماجرا دیکھنے لگا۔ مینا نے ٹوکری میں سے لعل کا ایک کپڑا نکالا اور ٹوکری سے باہر پھینکنے لگی۔ جب کافی سارا کپڑا نکل چکا تو چوہے کو مدھم سی آواز سنائی دی۔ آواز کچھ مانوس سی تھی مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ آواز پہلے کہاں سن رکھی ہے؟ اسے اپنے ذہن پر زیادہ زور دینا نہیں پڑا کیونکہ اگلے ہی لمحے ایک سرخ رنگ کی بلی مینا کے بازوؤں میں دکھائی دے رہی تھی۔ بلی کے جسم پر بلکے رنگ کے دھبے تھے۔ بلی کافی پلی ہوئی موٹی تازی تھی۔ بلی کو دیکھ کر چوہے کی توجہ جان کی ہی نکل گئی۔ اس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ وہ بمشکل وہاں سے بھاگتا ہوا اپنی بل میں گھس گیا۔ مینا نے گھر میں بلی لا کر چوہوں کی شامت بلا دی تھی۔ وہ بانپتا ہوا وہاں پہنچ گیا جہاں اس کے ساتھی چوہے کھانا کھانے کی تیاریاں





کر رہے تھے۔ انہوں نے جب موٹے چوہے کو دیکھا تو ہنس کر آواز دی کہ وہ بھی کھانے میں شریک ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ کھانا ہی ختم ہو جائے۔ موٹا چوہا پریشانی کے عالم میں کرسی پر بیٹھ کر اپنی سانسیں درست کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی دیکھ کر اس کے ساتھی چوہے بھی پریشان ہو گئے۔ ایک نے پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ موٹا چوہا اس دوران سنبھل چکا تھا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر بتایا کہ میں نے ان سے چھٹکارا پانے کیلئے بازار سے بلی منگوالی ہے جو کافی موٹی تازی ہے، اس کی صورت سے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ چوہے کھانے میں بڑی ماہر ہے۔ یہ سن کر دوسرے چوہے بھی پریشان ہو گئے۔ ایک چوہا گھبرایا ہوا بولا کہ اب کیا کیا جائے؟ موٹا چوہا کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا کہ ابھی تو میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا مگر آئیو اے وقت میں بلی کا جائزہ لے کر کچھ نہ کچھ ضرور بتاؤں گا؟ تم لوگ اب ذرا احتیاط سے باہر نکلتا کہیں ایسا نہ ہو کہ بلی کے جھپٹے میں آ جاؤ۔ سب چوہوں





نے وعدہ کیا کہ وہ دیکھ بھال کر باہر نکلا کریں گے۔ اس کے بعد چوہے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ دوسری طرف مینا بلی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے بلی کیلئے ٹوکری میں نیا بستر لگایا اور ٹوکری کو میز کے نیچے رکھ دیا۔ بلی کچھ دیر تک تو ٹوکری میں بیٹھی رہی، پھر باہر نکل کر گھر کا جائزہ لینے لگی۔ اسے گھر میں سے چوہوں کی بدبو آ رہی تھی۔ بلی نے کونوں کھدروں میں جھانکا مگر سب چوہے اس کی آمد سے مطلع ہو کر پہلے ہی ہوشیار ہو چکے تھے۔ بلی چلتے پھرتے صوفے پر جا پہنچی۔ صوفہ بڑا نرم تھا۔ بلی چوڑی لگا کر اس پر بیٹھ گئی۔ بلی نے اگلے چند دنوں میں ڈھیر سارے بچے دے دیئے جو گھر بھر میں اودھم مچاتے پھرنے لگے۔ چوہوں کی تو اب جان پر بن گئی تھی۔ پہلے تو وہ بلی کو جل دے کر کچھ نہ کچھ خوراک حاصل کر ہی لیتے تھے مگر اب وہ جس طرف سے نکلتے، سامنے انہیں بلی کا بچہ کھیلتا ہوا نظر آ جاتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں چوہوں کی خوراک کا ذخیرہ بالکل ختم ہو گیا۔ کئی چوہے بھوک سے نڈھال ہو کر باہر نکلے اور بلی کا نوالہ بن گئے۔ کچھ چوہے بلی کے بچوں کے ہاتھ لگ گئے جنہوں نے انہیں





فٹ بال کی طرح اتنا لڑھکا یا کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تین چار چوہے اب باقی بچے تھے جن میں مونٹا چوہا بھی شامل تھا۔ وہ تو کھانا نہ ملنے پر چلنے پھرنے سے قاصر ہو چکا تھا۔ وہ کئی دن سے کھانا نہ ملنے پر اپنی بلی کے ایک پتھر پر بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ اس کا ایک ساتھی چوہا ادھر آ پہنچا۔ اس نے نیلے رنگ کی پرانی سی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے مونٹے چوہے کو جب آنسو بہاتے دیکھا تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے مونٹے چوہے کے قریب آ کر معاملہ دریافت کیا۔ مونٹا چوہا روتا ہوا بولا کہ ”اس کے ساتھی ایک ایک کر کے بلی اور اس کے بچوں کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں، وہ سب دبے پتلے تھے، اچھی طرح بھاگ سکتے تھے۔ وہ پھرتی کے ساتھ اوپر گھر میں جاتے اور اپنے لئے کھانا چرا کر لاتے۔ اسی کھانے میں اسے بھی کچھ حصہ مل جاتا تھا مگر وہ اب کیا کرے؟ اگر وہ باہر نکلا تو یقیناً بلی کے ہاتھوں لگ جائے گا کیونکہ وہ کافی مونٹا ہے اور اچھی طرح تیز بھاگ نہیں سکتا۔ کئی دن گزر چکے ہیں اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔ اب وہ روئے نہ تو اور کرے؟“ دبے چوہے نے اس کی بات سنی تو





کہنے لگا۔ ”یہ بات تو سچ ہے کہ تم پیٹو چو ہے ہو۔ اگر تم مناسب اور کم خوراک کھاتے تو نہ صرف ہمارے پاس کھانا کا ذخیرہ زیادہ دن تک بچ سکتا تھا بلکہ تمہیں بھی نقل و حرکت کرنے میں آسانی رہتی۔ گزرا ہوا وقت کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتا۔ تم یہیں ٹھہرو! میں اوپر جا کر کھانے کا کچھ بندوبست کرتا ہوں۔ جو کچھ مل پایا وہ میں لے آؤں گا لیکن تم یہ بات ہمیشہ کیلئے پلے باندھ لو کہ آج بچا کر کھاؤ گے تو بچا ہوا کھانا کل کام آئے گا۔ اگر تم نے اب بھی نہ لیکن تم یہ بات ہمیشہ کیلئے پلے باندھ لو کہ آج بچا کر کھاؤ گے تو بچا ہوا کھانا کل کام آئے گا۔ اگر تم نے اب بھی نہ سمجھا تو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔“ مونا چو ہا اس کی بات سن کر پہلے ہی کافی شرمندہ تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ تھوڑی غذا کھائے گا اور اپنے گل کیلئے کچھ نہ کچھ بچا کر رکھے گا۔ دہلا چو ہا اسے وہیں چھوڑ کر گھر میں چلا آیا۔ اسے موٹے چو ہے کیلئے کھانا چاہئے تھا۔ وہ چھپتا چھپتا باورچی خانے کی طرف نکل گیا۔ مینا اس





وقت کمرے میں کپڑے سمیٹ رہی تھی۔ بلی اور اس کے بچے کمرے میں اچھل کود کر رہے تھے۔ دُبلّا چوہا تھا  
انداز میں باورچی خانے میں پہنچا اور ادھر دیکھ کر اس نے زمین پر پڑا ہوا ایک روٹی کا ٹکڑا اٹھایا اور واپس دوڑ لگا  
دی۔ وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ وہ بار بار مڑ کر دیکھتا کہ کہیں بلی اس کے تعاقب میں تو نہیں ہے۔ جب وہ اپنی  
بل میں گھس آیا تو اس نے شکر کا کلمہ ادا کیا اور سانس درست کر کے موٹے چوہے کے پاس چلا آیا۔ موٹا چوہا روٹی  
کا بڑا ٹکڑا اس کے پاس دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ دُبلے چوہے نے روٹی کو توڑ کر نصف کیا اور آدھا ٹکڑا اس کی  
طرف بڑھا دیا۔ موٹا چوہا یہ دیکھ کر مایوس ہو گیا۔ اتنی سی روٹی سے اس کا بھلا کیا بنے گا؟ اس نے باقی ٹکڑا بھی مانگا  
مگر دُبلے چوہے نے اسے کچھ دیر پہلے کا وعدہ یاد دلایا تو وہ شرمندہ ہو گیا دونوں نے مل کر تھوڑا تھوڑا کھانا کھایا۔  
دوسری طرف مینا کو بلی کی وجہ سے چوہوں سے تو نجات مل چکی تھی مگر بلی اور اس کے بچوں نے گھر بھر میں اتنی





گندگی پھیلا نا شروع کر دی کہ مینا کی ناک میں دم آ گیا۔ اس نے سوچا کہ کم از کم چوہے گندگی تو نہیں پھیلاتے تھے۔ اس نے اپنے پڑوسی سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ وہ اب کیا کرے؟ پڑوسی نے اسے مشورہ دیا کہ اب چونکہ چوہے گھر میں سے ختم ہو چکے ہیں اس لئے بلی کو پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ تم بلی اور اس کے بچوں کو بیچ ڈالو۔ اس سے کچھ رقم ہاتھ لگ جائے گی اور روز بروز کی مصیبت سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

مینا کو اس کا مشورہ اچھا لگا۔ اس نے ایک دن بلی کے تمام بچے پکڑ کر ٹوکری میں ڈالے اور ٹوکری کا منہ اچھی طرح بند کر دیا۔ وہ صرف بلی کو گھر میں رکھنا چاہتی تھی اور اس کے بچوں کو فروخت کر کے جان چھڑانا چاہتی تھی۔ بلی نے جب اپنے بچوں کو ٹوکری میں بند دیکھا تو وہ پریشان ہو گئی۔ مینا نے ایک بیل گاڑی روکی اور ٹوکری اس میں رکھ کر بیٹھ گئی بلی بھی چھلانگ مار کر بیل گاڑی میں چڑھ گئی شاید وہ اپنے بچوں کے دور رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔ مونا چوہا گھر کے باہر ایک چھوٹے سے پودے کی آڑ میں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ جب مینا ٹوکری اور بلی سمیت بیل گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ اب اسے بلی کا کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ سکون اور بے خوفی سے اپنے لئے کھانا ڈھونڈ سکتا تھا۔ بلی کی آمد سے اسے یہ احساس ہو چکا تھا کہ زیادہ کھانا پینا صحت کیلئے اچھا نہیں ہوتا۔ وہ آئندہ تھوڑا کھانا کھا کر اپنی صحت اچھی بنا سکتا تھا اور کچھ کھانا بچا کر آنے والے کل کی مصیبت سے بھی بآسانی لڑ سکتا ہے۔ اس طرح صحت کی بھی اچھی رہتی اور کل کی فکر میں پریشانی بھی نہ اٹھانا پڑتی۔